ماہنامہ

دلیل راہ

لاہور

جنوری 2011ء - صفر المظفر 1432ھ

کوئی محبوبِ کبریا نہ ہوا

کوئی محبوب کبریا نہ ہوا
کوئی تجھ سا تیرے سوا نہ ہوا

حق نے کب تیری بات ٹالی ہے
کون سے دن ترا کہا نہ ہوا

ہم پہ وہ کتنا مہرباں ہو گا
جس سے دشمن کا دل برا نہ ہوا

تجھ سے کس کس نے بے وفائی نہ کی
تجھ سے کس شخص کا بھلا نہ ہوا

حسرتیں اڑ گئیں دھواں بن کر
لب کشائی کا حوصلہ نہ ہوا

تھی یہی غایت حیات اعظم
پھر بھی مدحت کا حق ادا نہ ہوا

اعظم چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

توہین رسالت کے قانون 295/C کو ختم کرنے یا ترامیم کرنے کی خبروں نے ملکی فضا کو سوگوار اور لوگوں کے قلوب و اذہان کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر شخص مجسم احتجاج بنا ہوا ہے، تمام مکاتب فکر کے لوگ، سیاسی و مذہبی جماعتیں حکومت کے اس اقدام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ پورے ملک میں احتجاج کی رو بہہ چلی ہے۔ لوگ جلوسوں اور ریلیوں کے ذریعے حکومت کو اس اقدام سے باز رہنے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب نے بھی جماعت اہل سنت پاکستان کی جانب سے 100 سے زائد تحفظ ناموس رسالت کانفرنسز کروانے کا اعلان کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ توہین رسالت کے مرتکب مجرم کی سزا صرف اور صرف موت ہے اور اس میں تمام عالم اسلام کے درمیان اتفاق ہے۔ کسی بھی مکتب فکر کو توہین رسالت کی سزا موت ہونے میں اختلاف نہیں۔ ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے گستاخوں کے لئے موت کی سزا کا حکم صادر فرمایا اور اگر کسی صحابی نے حضور ﷺ کے گستاخ کو فی النار کیا تو حضور ﷺ نے قصاص کا حکم فرمانے کی بجائے گستاخ کے خون کو مباح قرار دیا۔ حضور ﷺ کی ذات مبارکہ سے لے کر آج تک کسی ثقہ شخصیت نے اس سزا کے بارے میں اختلاف نہیں کیا۔

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ابن ابی سرح، عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا اگرچہ انھوں نے غلاف کعبہ کے نیچے پناہ لی ہو، اسی طرح حویرث بن نقید، ابن خطل کی دو لونڈیاں فرتنا اور ارنب، عمرو بن ہاشم کی لونڈی سارہ، یہ تمام گستاخی رسول کی سزا میں قتل ہوئے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے ہے کہ ایک خطمی عورت نے آپ ﷺ کی ہجو کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو اسے سنبھالے؟ اس کی قوم سے ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ اس نے جا کر اسے ٹھکانے لگا دیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی تو فرمایا: لا ینطح فیھا عنزان "اس میں کسی کو اختلاف اور نزاع نہیں"۔

حضرت عمر ؓ کا حضور ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والے کو قتل کرنا، حضرت عمیر بن عدی کا ایک گستاخ عورت عصماء بنت مروان کو قتل کرنا، قبیلہ خزرج کے لوگوں کا حضور ﷺ کی اجازت سے ابن ابی الحقیق کو قتل کرنا، ایک نابینا صحابی کا اپنی ام الولد کو قتل کرنا، واضح طور پر ثبوت ہے کہ گستاخ رسول کو ظاہری دور رسالت مآب اور دور صحابہ میں بھی قتل کی سزا دی گئی۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کے گستاخ سے تو زمین اور قبر نے جس طرح نفرت کا اظہار کیا، بخاری اس کا نقشہ کھینچتے ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس ؓ سے ہے کہ ایک نصرانی اسلام لایا اور وہ حضور کا کاتب مقرر ہوا پھر وہ نصرانی ہو گیا اور وہ کہتا محمد ﷺ تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں لکھ دیتا ہوں۔ جب یہ شخص مر گیا اور لوگوں نے اسے دفن کیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ لوگ سمجھے کہ حضور ﷺ کے صحابہ نے اسے قبر سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے خوب گہری قبر کھودی اور اس میں اس گستاخ کو دفن کر دیا، مگر جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ قبر نے پھر اسے باہر پھینک دیا تو لوگ جان گئے کہ یہ کسی انسان کا عمل نہیں بلکہ حضور ﷺ کی گستاخی کی سزا ہے۔

اتنے واضح احکامات کی وجہ سے پوری امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔

ابن تیمیہ الصارم المسلول میں صحابہ کا اس سزا بارے اجماع نقل کرتے ہیں اور امام ابوبکر الفارسی الشافعی کے حوالے سے

اجماع امت کا قول ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

"امام ابوبکر فارسی جو اصحاب شافعی میں سے ہیں، انہوں نے امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع بیان کیا ہے کہ جس شخص نے حضور ﷺ کو گالی دی تو اس کی سزا حد اً قتل ہے جس طرح کہ کسی غیر نبی کو گالی دینے والے کی سزا (حد) کوڑے لگانا ہے۔ یہ اجماع صدر اول کے یعنی صحابہ و تابعین کے اجماع پر محمول ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو گالی دینے والا اگر مسلمان ہے تو اس کے وجوب قتل پر اجماع ہے۔"

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ گستاخ رسول کی سزا موت ایک متفقہ قانون ہے تو سوال پیدا ہوا اس متفقہ قانون کو چھیڑنے اور باعث نزاع بنانے کے پیچھے کون سے ہاتھ برسرِ پیکار ہیں اور حکومت کے چند عاقبت اندیش ارکان کس کا ایجنڈا مکمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اگر یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسلام دشمن عناصر اس مسئلہ کو اچھال کر مسلمان قوم میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں تو مسلمان اپنے اندر سے ایسی کالی بھیڑوں کو کیوں نہیں نکال دیتے جو حضور ﷺ کی عزت و ناموس سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہ کہنا کہ 295/C قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے سراسر لغو ہے، کیونکہ پاکستان میں جب سے یہ قانون بنا ہے صرف چند لوگوں کو سزا دی گئی ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ قانون ختم ہو جائے تو پاکستان کی گلی گلی میں فتنہ و فساد پھیلنے کا خدشہ ہے۔ لوگ بغیر کسی تفتیش کے محض الزام کی بنیاد پر برہم ہو کر قتل کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس قانون کا مطلب ملک میں امن و امان کا پیدا کرنا اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہے۔ ان حکمرانوں سے پوچھیئے! آپ کون سے قانون کا استعمال صحیح کر رہے ہیں کیا احتساب کا قانون صحیح استعمال ہو رہا ہے؟ حقوق انسانی کی آواز اٹھانے والو! تم کیا جانو انسانیت کیا ہے؟ اور انسانوں کے حقوق کیا ہیں؟ ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور ایمل کانسی کے وقت تم کہاں تھے؟ امریکی جیلوں میں ظلم پر تمہاری زبان کیوں خاموش رہتی ہے؟؟؟

صاحبو! حضور ﷺ سے محبت، آپ سے عشق، آپ کی غلامی، آپ کی عزت و ناموس کی حفاظت ہی تو ہمارا سرمایہ حیات ہے اور یہی اللہ کی رحمت و برکت کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم

کافر لوگ تو کبھی بھی نہیں چاہیں گے اہل کتاب سے اور نہ مشرکین سے کہ اتاری جائے تم پر تمہارے رب کی جانب سے کوئی خیر یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو مسلمانوں کی خیر و فلاح کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کی ترقی کے خلاف ہیں اور وہ مسلمانوں کے جذبۂ عشق رسول سے خائف ہیں۔ وہ کہاں چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں حضور ﷺ کے لئے مر مٹنے کے جذبات باقی رہیں لیکن انہیں کیا خبر کہ مسلمان بھوکا، پیاسا مر سکتا ہے، لیکن حضور ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ برداشت نہیں کر سکتا۔

اے یہود و نصاریٰ! کیا تمہیں حضرت خبیب کے الفاظ یاد نہیں رہے کہ "ہم اپنی جان کے بدلے میں یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ حضور ﷺ کے پاؤں میں کانٹا چبھے" اور پھر کربلا کی وادی میں حضرت قیس بن مسہر کے آخری لمحات کو بھی یاد کرو جب ابن زیاد نے آپ سے کہا کہ "اگر امام حسین کو گالی دو تو جاں بخشی کر دوں گا، آپ نے فرمایا امام حسین میرے مصطفیٰ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، اے ابن زیاد! تجھ پر لعنت ہو"۔

اے میرے حضور کی عزت و ناموس سے کھیلنے والو! تم یہود و نصاریٰ ہو تم "زرداری" ہو یا شیطان کی تاثیر ہو۔۔۔ لیکن یاد رکھو! حضرت خبیب اور حضرت قیس بن مسہر کے غلام زندہ ہیں، کیا ماضی قریب میں غازی علم الدین شہید، غازی عباس جیسی جوانیوں کو نثار ہوتے تم نے نہیں دیکھا۔۔۔ یقین کرو ایسے کروڑوں غازی نوجوان پاکستان کی گلیوں میں بس رہے ہیں جن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا حضور ﷺ کی ذات پر جان قربان کرنا ہے۔ خدا کی قسم تمہیں جتنا پیار زندگی سے ہے حضور ﷺ کے غلاموں کو اس سے بڑھ کے موت سے پیار ہے اس لئے کہ یہی تو بارگاہ محبوب میں حاضری کا ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر منظور حسین اختر

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرۃ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۂ انشقاق کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝١ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ
حُقَّتْ ۝٢ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝٣ وَأَلْقَتْ مَا
فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝٤ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٥ يَا أَيُّهَا
الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝٦
فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ
حِسَابًا يَسِيرًا ۝٨ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ
مَسْرُورًا ۝٩ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ
ظَهْرِهِ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝١١ وَيَصْلَىٰ
سَعِيرًا ۝١٢ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝١٣ إِنَّهُ
ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ۝١٤ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ
بَصِيرًا ۝١٥ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝١٦ وَاللَّيْلِ وَمَا
وَسَقَ ۝١٧ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝١٨ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا
عَن طَبَقٍ ۝١٩ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٢٠ وَإِذَا قُرِئَ
عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ ۝٢١ بَلِ الَّذِينَ
كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ۝٢٢ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝٢٣
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٢٤ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝٢٥

جب آسمان پھٹ جائے گا (۱) اور اپنے رب کا حکم تسلیم کرے گا اور اُسے یہی سزاوار ہے (۲) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی (۳) اور پھینک دے گی جو اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی (۴) اور اپنے رب کا حکم تسلیم کرے گی اور اُسے یہی سزاوار ہے (۵) اے انسان! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف رنج و تکلیف کے ساتھ ضرور جانا ہے پھر اُس سے ملاقات کرنے والا ہے (۶) پس وہ جس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (۷) تو اُس سے عنقریب آسان حساب ہوگا (۸) اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف مسرور لوٹے گا (۹) اور وہ جس کا نامہ اعمال اُس کی پیٹھ کی طرف سے دیا جائے گا (۱۰) تو عنقریب وہ موت مانگے گا (۱۱) اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں (۱۲) بے شک وہ اپنے اہل و عیال میں مسرور رہتا تھا (۱۳) یقیناً اس نے خیال کیا کہ اس نے کسی صورت پلٹ کر جانا ہی نہیں (۱۴) ہاں کیوں نہیں بے شک اُس کا رب اسے دیکھنے والا ہے (۱۵) تو مجھے قسم ہے شام کے وقت افق پر موجود لالی کی (۱۶) اور رات کی اور اس کی جسے وہ سمیٹ لے (۱۷) اور چاند کی جب وہ پورا ہو (۱۸) تمہیں ضرور منزل بہ منزل اوپر چڑھنا ہے (۱۹) تو کیا ہے انہیں وہ ایمان نہیں لاتے (۲۰) اور جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے سجدہ نہیں کرتے (۲۱) بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، جھٹلاتے ہیں (۲۲) اور اللہ خوب جانتا ہے جو اُن کے دلوں میں ہے (۲۳) تو آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیں (۲۴) مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن کے لیے اجر جو کبھی ختم نہ ہوگا (۲۵)

سورہ انشقاق شؤون کائنات کا ادراک رکھنے والے عظیم رسول کے سینہ پر مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ یہ پچیس آیات پر مشتمل نورانی اور رحمانی سوغات ہے۔

سورہ انشقاق قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کے مضامین پر مشتمل عظیم انذار نامہ ہے۔ یہ مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔

قرآن مجید کے اس حصہ میں انسانی فکر کو سب سے پہلے تکوینی انقلاب اور کوئی حادثہ کی خبر دے کر بیدار کیا جاتا ہے۔ آسمان پھٹ جائے گا اور اطاعت خداوندی کی بے مثال حقیقت کھول دے گا۔ ممکن ہے آسمان اور زمین میں ہولناک حوادث کی تعبیر انسانی فکر میں تسلیم اور ایمان کی دعوت بنا کر اٹھائی گئی ہو۔ اس کے بعد یہ سورت عظیمہ نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال پر محاسبہ کو سرنوشت بنا کر بیان کرتی ہے۔

سورت کا مجموعی نظام رازِ دروں کی حیثیت رکھتا ہے۔ انتہا میں اگرچہ تجسس کے رنگ گہرے ہوتے ہیں لیکن قرآن حکیم اصولوں کی زندہ و تابندہ کتاب ہے۔ اس کی صراحتیں بھی اور کنایے بھی دلپذیر ہوتے ہیں اور لہجوں کا اعجاز قابل ایمان نکتہ سنجیوں سے وساوس اور عدم تسلیم کو تھکا دیتا ہے۔ سورہ انشقاق کے تیسرے مرحلے میں چند اعمال کو متعین اور متظہر بنا کر بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھے اور پانچویں مرحلے میں دوبارہ جزا و سزا کے قانون کو متحرک کیا جاتا ہے۔

سورہ انشقاق کا ہر موضوع فکر آخرت پیدا کرتا ہے۔ ہر روز انسانی زندگی میں اس کی چشم بینا کے سامنے نقاشِ فطرت کی صناعی میں عظیم تغیرات اور فکر ساز انقلابات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان حوادث اور احوال میں مطالعہ کو ثمر بار کرنے کے لئے سورہ میں چند قسمیں ہیں جو سورت کی جان ہیں۔

سورج ڈوبنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا

چاند کا ہلال کے درجے سے ترقی کر کے ماہ کامل بن جانا

دن کے بعد رات کا آنا

اور

انسانوں اور حیوانات کا اپنے اپنے بسیروں کی طرف پلٹ جانا سوچ کو مہمیز لگاتا ہے

کہ

بہر حال انسانی قافلے کو ایک حالت میں نہیں رہنا اور جب انسان نے رہنا نہیں ہے تو اسے آنے والے دن کے لئے اچھی تیاری کرنی چاہیے۔

سورہ انشقاق دراصل فکر آخرت کا معلم ہے اور اس کی آیتوں کی ہر تعلیم وقوع قیامت پر یقین مضبوط کرنا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱

"جب آسمان پھٹ جائے گا"۔

سورہ انشقاق کا آغاز دنیا کے مٹ جانے کے اعلان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اختتام دنیا جس شدت اور ہیبت کے ساتھ ہوگا وہ آسمان کا پھٹ جانا ہے، اس کے اندر شگاف پڑ جانا ہے اور نظام تکوین کے بکھرنے سے ستاروں کی شمعیں بھی گل ہو جائیں گی۔ کائنات کا یہ عظیم حادثہ ان لوگوں کے جھنجوڑنے کے لئے بیان ہوا ہے جو قلعوں، محلوں اور سنگ مرمر سے تراشے گھروں میں رہتے ہوئے انہیں پائیدار تصور کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہدایت کا کوئی روشن نشان موجود نہیں ہوتا۔ آیت کا روحانی نظام دنیوی کر و فر اور شان و شوکت کو ہلا رہا ہے۔ انسانی قلب و نظر میں دنیا کی بے وقعتی اور بے ثباتی اتار کر اس حقیقت کا چہرہ خوب نمایاں کر کے بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے بعد ایک نیا جہاں وجود میں آنے والا ہے۔ نو امیں و قوانین کی تازہ لہر ارض و سما کی موجودہ شکل کو بدل دے گی۔

واحدی کہتے ہیں آسمان کا شق ہو جانا علاماتِ قیامت میں سے ہے، معنی یہ ہے کہ یہ سفید بادلوں کی صورت میں نظر آنے لگ جائے گا(1)۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آسمانوں میں شگاف "مجرّہ" سے ہوگا۔ رہا سوال کہ "مجرّہ" کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ "مجرّہ" وہ راستہ ہے جو رات میں آسمانوں پر نظر آتا ہے۔ شوکانی نے لکھا کہ یہ آسمان کا دروازہ ہے(2)۔

ماہرین فلکیات کے نزدیک "مجرّہ" گھنے، گنجان اور باریک نظر آنے والے ستارے ہیں(3)۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ آسمان کو پھاڑ دیا جائے گا تاکہ فرشتوں کا نزول ہو جو حکم تکوینی کے لئے سریع العمل ہوں(4)۔

وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ۝

''اور اپنے رب کا حکم تسلیم کرے گا اور اسے یہی سزاوار ہے''۔

یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔ پہلے اختتام دنیا کا اعلان آسمان کے پھٹنے سے ہوا اب بتایا گیا کہ آسمان کی جگہ شگاف پڑنا اور راہیں کھول دینا اندھے حادثے کی وجہ سے نہ ہوگا اور نہ ہی اس میں آسمان کی اپنی مرضی ہوگی بلکہ یہ سب کچھ بھی ''مالک الملک'' کے حکم سے ہوگا۔ حکم باری پر آسمان کا کان لگا کر سننا اور اطاعت وانقیاد میں پھٹ جانا قرآن حکیم کا اچھوتا اور دلچسپ انداز ہے۔ آسمان پر عاجزی اور خشوع چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اذنت میں کان لگا کر سننا

لربھا میں لام کا یہ معنی پیدا کرنا کہ

آسمان کا حق بھی یہی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے

پھر اس پر مستزاد حقت لانا

ہونہ ہو ایک چھوٹے سے انسان کو سمجھانے کے لئے یہ ترکیب لائی گئی ہو کہ اتنا بڑا آسمان تو اطاعت رب میں پھٹ پھٹ جاتا ہے اور تو اے انسان اپنے مقام پر غور نہیں کرتا تیری زندگی کا حسن بھی اسی میں ہے کہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور جھکا رہے۔ اس کی بندگی بجالائے اور اسی کو مقصد زیست جانے۔

علامہ آلوسی نے لکھا کہ ''اذنت'' میں صرف کان لگا کر سننے کا مفہوم ہی شامل نہیں بلکہ عربوں کے ہاں یہ ایک محاورہ ہے جس میں تابع فرمان ہونے اور عاجزی کے ساتھ بات ماننے کا مفہوم بھی شامل رہتا ہے(5)۔

سورہ انشقاق کی اس آیت سے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اس حصہ کا عمود عاجزی، انکساری اور جذبہ اطاعت کے ساتھ تسلیم وانقیاد ہے۔

وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۝ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۝ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ۝

''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور پھینک دے گی جو اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم تسلیم کرے گی اور اسے یہی سزاوار ہے''۔

یہ تین آیتیں اچھوتے اور دلپذیر لہجے میں بتاتی ہیں کہ وقوع قیامت کے دیباچے میں زمین پر کیا گزرے گی، اس کے اندر کیا انقلابات بپا ہوں گے۔ زمین کے پھیلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر بھر کا دیے جائیں گے۔ پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔ زمین پر قائم آبادیاں تہس نہس کر دی جائیں گی۔ ہر اونچ نیچ ختم کر کے اسے ہموار میدان بنا دیا جائے گا۔ اس وسیع زمین پر انسانوں کا حشر ہوگا۔

دوسرے مرحلے میں قرآن حکیم بتاتا ہے زمین اپنے اندر سے جو کچھ اس میں ہے خزائن، دفینے ہیں یا مردہ انسانوں کی ہڈیاں اور ریزے سب کو باہر پھینک دے گی۔

القت اور تخلت کا اسلوب ایمان افروز ہے اور روح فہم اور قلب فکر پر وجد طاری کر دیتا ہے کہ وہ زمین جسے انسان نے آج مالک بن کر خود تقسیم کر رکھا ہے۔ اپنے خزانے اس کے اندر چھپاتا ہے، اس کے دفینے اپنا حق سمجھتا ہے، اپنے مردوں کو اس کے اندر دفناتا ہے، اپنی اس مجازی مملوک کے لئے دوسروں کو قتل کر دیتا ہے قیامت کے دن یہ اس کے ہر راز کو اگل دے گی۔ اسے مردہ حالت میں سنبھال سنبھال کر خدا کے حکم پر باہر پھینک دے گی۔ اس کے خلاف ہر گواہی کو آشکار کر دے گی۔ جیسے حاملہ عورت وضع حمل کے بعد قدرے سکون محسوس کرتی ہے زمین بھی خالی ہو کر گویا مطمئن ہو جائے گی اور اپنے وسیع وعریض صحن میں قافلہ جن وانس کی حضوری کے لئے آمادہ ہو جائے گی۔

امام فخر الدین رازی نے یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ اس موجود زمین کو بروز قیامت کہیں زیادہ وسیع کر دے گا تا کہ مخلوق کی حضوری کے لئے یہ زیادہ سے زیادہ وسعت رکھے۔ ''مدت'' کا مفہوم ان کے نزدیک یہی ہے(6)۔

آسمان اور زمین کے تسلیم وانقیاد کو سورہ حم السجدہ نے یوں بیان کیا ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ۝

''پھر ارادہ فرمایا آسمان کی طرف اور وہ دھوئیں کی صورت میں تھا تو آسمان اور زمین دونوں کو حکم دیا کہ حاضر ہو خوشی سے یا ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم خوشی سے حاضر ہیں''۔

اگلی آیت میں آسمان کی طرح زمین کے انقیاد اور اطاعت کو دہرایا گیا ہے کہ زمین کان لگا کر، غور سے اپنے رب کا حکم تسلیم کے ساتھ سنے گی اور اسے لائق بھی یہی ہے۔ اس میں بھی یہ مفہوم شامل ہے کہ یہ سارا کام زمین کی مرضی سے نہ ہوگا بلکہ خدا کے حکم پر ہوگا۔

یہ عظیم حوادث ایک طرف اگر اس دنیا کے فنا ہو جانے کی خبر دیتے ہیں تو دوسری طرف نئے عالم ہستی کی ایجاد کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اور شعوری طور پر علم رسول کی خبر بھی دیتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں ہزاروں لاکھوں انقلابات کی جو صحیح خبریں حضور انور ﷺ صحیفۂ نور کے ذریعے دے رہے ہیں انہیں اللہ سے کتنا قرب حاصل ہے۔ صرف قرب ہی ان کے اللہ نے انہیں کیا کیا عطا کر رکھا ہے۔ تفسیر کی جان تو یہی ہے کہ بندہ اللہ کی بندگی کرے اور حضور انور ﷺ کی اطاعت بجالائے سو باتوں کی ایک ٹھوس اور محکم بات تو یہی ہے واللہ اعلم۔

يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿٦﴾

"اے انسان! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف رنج و تکلیف کے ساتھ ضرور جانا ہے پھر اس سے ملاقات کرنے والا ہے"۔

قیامت کی تکوینی حقیقتیں بیان کرنے کے بعد انسان کو مخاطب کر کے اس کے وجود کا محیر العقول نظام اس کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تا کہ آفاق کے ساتھ ساتھ وہ انفس کا مطالعہ کر کے روز جزا کی تنبیہات کو سمجھ سکے اور اپنی کارکردگی کا رخ صحیح سمت متعین کرنے کی ریاضت سے لذت کام ہو۔

آیت کے تین پہلو قابل صد غور ہیں:

انسانوں کا نفسی مطالعہ

تکوینی اور فطری زندگی میں انسان کی جدوجہد میں چاروناچار پابندی

اور

رب کریم سے ملاقات

انسان نیک ہو یا بد اور مومن ہو یا کافر فطرتاً اس امر کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور زندگی میں کوئی چیز مقصود بنا کر اس کے حصول کو ممکن بنانے کی سعی کرے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں "کدح" کا لغوی معنی خراش پیدا کر دینا ہوتا ہے (7)۔ کوشش اور محنت اگر انسان کے طرز زندگی میں کوئی اثر پیدا کر دے تو گویا محنت کرنے والے کی زندگی میں یہ "کدح" ٹھہری۔ اچھے یا برے کام کے لئے اثر آفرین محنت "کدح" ہوگی۔

قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے قاری قرآن یہ بات اچھی طرح محسوس کرے گا کہ آسمان کا پھٹ جانا اور زمین کا ایک زلزلے کے بعد ہموار میدان بن جانا سخت حادثات ہیں لیکن اللہ رب العالمین کی طرف سے انسانوں کو خطاب میں شفقت اور رحمت کا ایک سیلاب موجزن نظر آتا ہے۔ قاری کا جمالیاتی ذوق اگر بیدار ہو تو سورت کا دلپذیر اور انقلاب آفرین لہجہ بڑی سہولت کے ساتھ اپنے پڑھنے والے کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے گویا یہ وہ موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی ضمیر، قلب اور روح کو چھو لیتا ہے اور انسان اخروی حقیقتیں آسانی کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے۔

رازی، آلوسی اور بیضاوی وغیرھم مفسرین نے مسلسل محنت کا معنی "کدح" میں سمویا ہے (8)۔

انسانی وجود میں محنت اور حرکت کی ایک ایسی رو ہے جو مسلسل جاری ہے۔ ہر آدمی کسی نہ کسی جانب آگے بڑھ رہا ہے۔ کوئی اللہ کی طرف متوجہ ہے اور اسے راہ کی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہیں وہ آگے بڑھا جا رہا ہے، دوسرا وہ انسان ہے جسے مقصد کا شعور نہیں اس نکمے انسان کو بھی فطرت کسی ریڑھے میں ڈال کر آگے دھکیل رہی ہے۔ کوئی مادی جدوجہد میں کان تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہے اور کوئی نیکی کی راہ میں خراماں خراماں آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ آیت سمجھاتی ہے کہ انسان اپنی حرکت کے نظام میں غور و فکر کرے۔ جب اس حرکت نے کسی منزل تک پہنچنا ہی ہے تو انسان کو انتخاب میں غلطی نہیں کرنی چاہئے گویا انسانی فطرت سے انسان کے سامنے آخرت پر خوبصورت استدلال کے ساتھ انسانی سماعتوں اور بصارتوں کو پیدا کیا گیا ہے کہ مقصد رضا کی سمت متعین کرنے میں انسان ٹھوکر نہ کھا جائے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾

"پس وہ جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے عنقریب آسان حساب ہوگا"۔

جولانگاہ حیات میں انسانی اعمال کی جہتیں متفاوت ہیں۔ ہر شخص اپنی حرکتوں اور افعال کے پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ زندگی کی چادر اعمال کے اثر سے مختلف رنگ رکھتی ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اعمال کا یہ اثر بروز قیامت انسانوں کو دو حصوں میں بانٹ دے گا: سعادت مند مومنین جنہیں اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی اور دوسرے بدبخت مشرکین جن کا ہر عمل حسنہ سے محروم ہوگا۔

آیت میں کتاب سے مراد صحیفہ اعمال ہے اور نامۂ اعمال کا صالحین کے داہنے ہاتھ میں ملنا سعادت اور برکت کی علامت ہے۔ قرآن

مجید کہتا ہے کہ جس کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑایا گیا اس کا حساب آسان ہوگا۔ مفہوم یہ ہے کہ اس سے کوئی مناقشہ اور بحث وتحمیص نہیں ہوگی۔ پوچھ گچھ کی سختی روانہیں رکھی جائے گی۔ کم سے کم وقت میں اسے فارغ کر دیا جائے گا۔ کسی رویہ سے وہ تعب اور شدت محسوس نہیں کرے گا۔ میزان کے سائے میں نیکیوں کو بدیوں پر غالب دیکھ کر وہ طبیعت میں راحت محسوس کرے گا۔ ایسا نہیں کہ ان کے نامۂ اعمال میں غلطیاں ہوں گی نہیں نیک اعمال کی برکت سے ان سے درگزر کر لیا جائے گا۔ غلطیوں پر گرفت کا نہ ہونا بھی خیر وبرکت کی صورت میں انعام کی صورت اختیار کرے گا۔ دنیا میں طلب مغفرت کی وجہ سے ان کے نامۂ اعمال سے برائیوں کو مٹا دیا جائے گا۔ یہ کرم بھی اس لیے ہوگا کہ وہ صالح مومن ندامت محسوس نہ کرے اس سے بڑا اور کرم کیا ہوگا کہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل کر دی جائیں۔

بخاری شریف میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر کوئی ایسی بات سنتیں جو ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ حضور انور ﷺ کی طرف رجوع کرتیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب فرمایا:

من حوسب عذب

جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں:

یا رسول اللہ!

کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا؟

فسوف یحاسب حسابا یسیرا

حضور انور ﷺ نے فرمایا:

آسان حساب سے مراد صرف پیشی ہے۔ عذاب اسے دیا جائے گا جس کی پیشی کے ساتھ پوچھ گچھ بھی ہوگی (9)۔

مسند امام احمد بن حنبل میں یہ حدیث یوں وارد ہوئی ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کی حساب یسیر کیا ہے؟

فرمایا:

جس کا اعمال نامہ دیکھ کر درگزر کر دیا گیا جس سے پوچھ گچھ ہوئی وہ ہلاک ہو گیا (10)۔

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ

''اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف مسرور لوٹے گا''۔

وہ لوگ جن کے داہنے ہاتھ میں صحیفہ اعمال دیا جائے گا ان کے لئے دوسرا صلہ بیان ہو رہا ہے۔ پہلی برکت تو حساب میں ''یسیر'' کی صورت میں ظاہر ہو گئی اور دوسری یہ کہ وہ اپنے اہل وعیال میں خوش خوش لوٹیں گے۔

یہاں اہل سے مراد کون لوگ ہیں؟

مفسرین نے اس بات کو تین طرح سمجھا ہے:

پہلی تفسیر یہ ہے کہ اہل سے مراد بیویاں اور ایمان دار اولاد ہے۔ مومنین آسان حساب کے بعد جنت میں ان کے پاس خوش خوش پہنچ جائیں گے (11)۔ ابن عاشور نے لکھا کہ سوچوں اور سفروں کی تھکاوٹ بیویوں اور بچوں کو دیکھ کر ہی دور ہو سکتی ہے۔ انہیں اصرار ہے کہ اہل سے مراد صالح اور جنتی اولاد ہی ہے۔

قرآن مجید اس کی تائید کرتا ہے (12)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اہل کی دوسری تفسیر جنت کی حوروں کے معنیٰ میں لی گئی ہے۔ وہ حوریں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے متعین کی ہوں گی۔ ابن جوزی اور زمخشری وغیرہ نے اہل کا یہی معنیٰ سمجھا ہے (13)۔

تیسری تفسیر وہ ہے جسے اسماعیل حقی وغیرھم مفسرین نے اختیار کیا ہے (14)۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل سے مراد ایمان کی راہوں میں دینی ساتھی ہیں۔ سعادت اور کرامت کے ہمراہی دنیا میں باعث سکون ہوتے ہیں اور قیامت کے دن بھی اہل سے مراد وہی ہوں گے۔

ابن عاشور کی بات اس لئے سمجھ آتی ہے کہ اہل اللہ دنیا میں اللہ تعالٰی کی رضا کو ہر بات پر ترجیح دیتے ہیں اور انہیں اپنے اہل وعیال کی پرواہ تک نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی پرواہ ہوتی ہے تو صرف یہ کہ ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھیں۔ اللہ تعالٰی انہیں بروزِ قیامت یہ صلہ عطا فرمائے گا کہ وہ جنت میں اہل وعیال کے ساتھ جمع ہو جائیں گے۔ یہ ان کی محبت اور عشق کی گرمی کا وسیلہ ہوگا جو اولاد کو کام آئے گا اور ان کا درجہ بلند ہو جانے گا صرف اس لئے کہ اللہ کا ایک نیک بندہ اپنے اہل وعیال سے یکجا ہو کر جنت کی کامیابیوں سے خوش ہو۔

گھر والوں کے ساتھ رویوں کو قرآن حکیم نے دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے مثلاً آخرت سے غافل لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا (15)۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾

''اور جب اپنے گھر کی طرف پلٹتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے لوٹتے''۔

جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے۔

اس کے برعکس ایمان والوں کا رویہ اپنے اہل وعیال کے بارے میں سورہ طور نے یوں بیان فرمایا (16)۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

کہیں گے بے شک اس سے پہلے ہم مع اہل وعیال اپنے انجام کے بارے میں ڈرے ہوئے تھے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور تپتی آگ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

یہ آیت صاف طور پر واضح کر دیتی ہے کہ اہل جنت جب اپنے اہل وعیال کے ساتھ یکجا ہوں گے تو وہ کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے اہل کے بارے میں ڈرتے تھے اور ان کی عاقبت سنوارنے کے لئے فکرمند رہتے اسی وجہ سے آج اللہ نے ہمیں عذاب سے بچایا اور ہم یکجا مسرور اور شادماں ہوئے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿١٢﴾

''اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا جائے گا تو عنقریب وہ موت مانگے گا''۔

ان آیات میں کفار، مشرکین اور مجرمین کے نامۂ اعمال سے متعلق بعض کیفیات بیان کی گئی ہیں۔

پہلی بات کی گئی کہ ان کا نامہ اعمال پشت کی طرف سے دیا جائے گا۔

اسی مفہوم کو سورۃ الحاقہ میں یوں بیان کیا گیا (17)۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾

''اور وہ جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا اے کاش! مجھے یہ صحیفہ اعمال نہ دیا گیا ہوتا''۔

ابن عاشور نے لکھا کہ مجرمین کو نامۂ اعمال پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا اور یہ اظہار غضب کے لئے ہوگا گویا یہ وقت بھی مجرم مشرک کی ذلت اور تحقیر کا نشان اور علامت بن جانے گا (18)۔

ابن عاشور کے اس قول پر ایک دوسری صورت بھی سمجھ آتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے سورہ النسا میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾

''اے کتاب دیئے گئے لوگو! ایمان لے آؤ اس پر جسے ہم نے تصدیق کرنے والا بنا کر نازل کیا اس کے لئے جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کے کہ ہم چہروں کو مسخ کر ڈالیں اور الٹا دیں انہیں پیٹھوں کی جانب یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں جیسی ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی اور وہ اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہنے والا ہوتا ہے''۔

یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ مجرموں کے چہروں کو بگاڑ کر پیٹھ کی طرف پھیر دیا جائے گا اس طرح جب ان کے چہرے پیٹھ کی طرف ہوں گے تو ان کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں اس لئے پکڑائے جائیں گے تاکہ وہ پڑھ کر شرمندہ اور ذلیل ہوں۔

بعض دوسرے مفسرین نے قرآن مجید کی ان دو قسم کی آیات میں تطبیق کی صورت یہ بیان کی ہے۔ مجرموں پر غضب سے ان کی تحقیر کے لئے ان کے دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف جکڑ دیئے جائیں گے (20)۔

ایک صورت یہ بھی بیان ہوئی کہ ان کا دایاں ہاتھ زنجیر کے ساتھ جکڑا ہوگا اور انہیں نامۂ اعمال پیچھے کی طرف سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے (21)۔ اس طرح وہ اپنا نامۂ اعمال دیکھیں گے۔ تین چیزیں اکٹھی ان پر مسلط کر دی جائیں گی، خوف، ذلت اور شرمساری (22)۔

یہ بات میں نے حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات جامع العلوم کی تشریح میں سیدی وسندی محبوب المشائخ حضرت سید شاہ نجیب الحسینی الکبری کی بیاض میں پڑھی۔

اس آیت کی تشریح میں مبینہ اشکال کو رفع کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا کہ اصحاب یمین شاداں و فرحاں، مسرور اور خوشیاں مناتے ہوئے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں لئے نعرے لگائیں گے ان کی اس کیفیت اور ولولہ پرور صدا کو قرآن حکیم نے یوں نقل کیا:

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (23)۔

"اے اہل محشر آؤ میرے نامۂ اعمال کو پڑھو"۔

لیکن جب گناہ گاروں کو صحیفہ عمل بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ شرمساری سے اپنا ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جائیں گے تا کہ جرم کی سند ذرا کم بوجھ کے ساتھ دیکھی جائے۔ اس کے بعد وہ "ثبـــورا" ہلاکت ہلاکت کی صدائیں دیں گے لیکن یہ فریاد بے سود ہوگی اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝

"بے شک وہ اپنے اہل وعیال میں مسرور رہتا تھا یقیناً اس نے خیال کیا کہ اس نے کسی صورت پلٹ کر جانا ہی نہیں"۔

یہ غفلت شعار، عاقبت فراموش اور جرائم پیشہ لوگوں کی تصویر کشی ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے بدبخت شخص جسے جہنم میں جھونکا گیا دنیا میں یہ اپنے اہل وعیال میں بڑا خوش خوش رہتا تھا۔ غفلت اور بدہوشی کی زندگی نے اس کی فکری زندگی کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اس کو مستقبل کی سوجھتی ہی نہیں تھی۔ اسے سمجھایا جاتا تھا لیکن اس کے دماغ میں اور روح میں یہ دعوت اترتی ہی نہیں تھی کہ آخرت میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ یہ متکبر، ڈھیٹ اور مغرور شخص دنیا کی دلچسپی میں اتنا اتر گیا تھا کہ آخرت کی کوئی تنبیہہ اسے بیدار نہیں کر پاتی تھی۔ یہ جان نہ سکا کہ اس نے آب حیات نہیں پیا ہوا۔ اس کے بال بچوں میں اس کی فرحتیں اور مسرتیں عارضی تھیں۔ وہ دنیا کو پائیدار اور ابدی ازلی سمجھتا تھا اور موت کے بعد والے جہاں کے بارے میں اس کی سوچیں مردہ تھیں۔ اس بے ضمیر انسان کو دوزخ میں نہ ڈالا جاتا تو کیا کیا جاتا۔

قارئین!

خوش رہنا بری چیز نہیں۔ خوشی اور سرور تو انسان کی مقصودی منزل ہے۔ اصل میں فانی خوشیوں پر اپنے آپ کو فنا کر دینا دانائی نہیں۔ باقی رہنے والی خوشیوں کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ دنیا کو عبرت گاہ بنانا چاہئے، آیت کا محور فکر آخرت ہے۔

ایک مرتبہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ایک بستی سے گزرے دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت ایک غریب عورت کو مارے جا رہی تھی۔ بابا نے پوچھا یہ عورت اس غریب کو کیوں مار رہی ہے؟ اطلاع دی گئی یہ امیر عورت عشرت کدہ کی مالکہ ہے اور غریب عورت اس کی ملازمہ ہے۔ غریب عورت اپنی مالکہ کی آنکھ میں کاجل ڈال رہی تھی کہ ریت کا ایک ذرہ آنکھ میں چلا گیا خادمہ کی اس پر پٹائی کی گئی۔

بابا ایک مدت کے بعد دوبارہ اسی شہر میں قبرستان سے گزرے تو ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک چڑیا نے انسانی کھوپڑی میں بچے دیئے ہوئے ہیں۔ وہ چڑیا اپنی چونچ میں خوراک لاتی ہے اور بچوں کو کھلاتی ہے لیکن بچے کھوپڑی کی آنکھوں سے منہ نکال کر ماں سے خوراک لیتے ہیں انسانی کھوپڑی کا یہ مصرف بابا کو عجیب لگا۔ مراقبہ پر بابا نے بتایا یہ اسی خوبصورت عورت کی کھوپڑی ہے جسے آنکھ میں ریت کا ایک ذرہ برداشت نہ ہوا آج اس کی آنکھوں میں چڑیا کے بچے بیٹھے ہیں۔

بابا جی نے فرمایا:

جن لوئیں جگ موہیا سو لوئیں میں ڈٹھ
کجرا دکیھ نہ سہندیاں تے پنچھی سوئے بٹھ

میر تقی میر نے بھی ایک مقام پر شاید اسی مفہوم کی ترجمانی کی:

آئی صدا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

آگے فرمایا کہ اس کا گمان تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی نہیں بدلے گی۔ غافل انسان کی یہی بدبختی اس کی بدحواسی اور ذلت میں تبدیل ہو

جائے گی۔قرآن حکیم نے اس سلسلہ کلام کو اس مقطع پر مکمل کر دیا کیوں نہیں اس کا رب اسے دیکھ رہا تھا۔

اس سلسلہ کلام میں "لن یحور" کی طرزِ تعبیر دلچسپ ہے۔"یحور" لفظ تردد، آمد و رفت اور حالات کے بدلنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔پانی کا تالاب میں گردش کرنا۔چرخے کی لٹھ جس پر چرخہ گھومتا ہے اس پر یہ لفظ اطلاق پذیر ہوتا ہے۔بحث اور مناظرہ کو بھی حوار کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں مفہومات اور الفاظ کا ردو بدل ہوتا ہے۔بہر حال آیت میں یہ لفظ رجوع اور ردو بدل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔واللہ اعلم۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾

"تو مجھے قسم ہے شام کے وقت افق پر موجود اجالے کی"۔

یہاں مضامین اور دعوت کی نئی اٹھان کے لئے قسمیہ کلام سے تاکیدات وارد ہو رہی ہیں۔"لا" زائدہ ہے اور "شفق" کی قسم کی جا رہی ہے۔علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شفق کا معنی پتلا ہونا، کمزور ہونا اور نازک ہونا نقل کیا ہے(24)۔غروب آفتاب کے وقت سورج کی روشنی انتہائی کمزور ہو جاتی ہے لگتا ہے کہ سورج ایک طویل سفر کر کے رات کی گود میں دم توڑنے والا ہے۔سورج کی عاجزانہ تصویر میں اگر ایک طرف رعب دار سایہ اور ظلمت موجود ہوتی ہے تو دوسری طرف سورج کے جلال کا جمال میں بدل کر فنا ہو جانے کا پیغام، وداع کا احساس پیدا کرتا ہے۔انسان کی طبیعت اس وقت عجیب مایوسی سے دوچار ہوتی ہے۔لگتا ہے جانے والا سورج آنے والی سیاہ کالی اور تنہائیوں بھری رات سے دوچار کر رہا ہے۔زندگی کے بعد موت کے لئے شفق ایک خوبصورت استعارہ ہے۔اللہ رب العٰلمین کا شفق کی قسم کرنا ان گنت حکمتیں رکھتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے دن کی روشنی کا رات کے اندھیرے کے ساتھ مل جانے کو شفق کے مفہوم میں شامل کیا ہے (25)۔اشفاق کا معنی ایسی توجہ جس میں خوف کا عنصر شامل ہو بیان کیا جاتا ہے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ شفق کو شہیدوں کے خون سے تشبیہ دی گئی ہے۔بعض فقہاء نے شفق سے مراد وہ سرخی لی ہے جو غروب آفتاب کے بعد افق پر نظر آتی ہے البتہ احناف کے نزدیک شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی کے بعد افق پر چھا جاتی ہے۔مجاہد نے سفیدی کے معنی کی رعایت رکھتے ہوئے شفق سے مراد سارا دن لیا ہے اور بعض مفسرین نے ساری رات مراد لی ہے(26) اور بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ مغرب کی نماز کا وقت یہاں بیان مراد لیا گیا ہے۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

"اور رات کی اور اس کی جسے وہ سمیٹ لے"۔

یہاں وسعتوں بھری رات کی قسم کی گئی۔"وسق" عربوں کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔اس تعبیر کا لغوی معنی بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا ہوتا ہے(27)۔اگر سوچا جائے تو رات پردہ بن کر بہت ساری چیزوں کو چھپائے ہوتی ہے۔سید قطب نے اچھا لکھا: رات جو بے شمار چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔بے شمار انسان، بے شمار واقعات، بے شمار حوادث اور ان گنت احوال اللہ تعالیٰ نے رات کی اس وسعت ظرفی کی قسم کی ہے(28)۔علامہ قرطبی نے یہ لکھا کہ رات کے وقت تمام پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف اور جانور آرام کی خاطر اپنی آماجگاہوں کے اندر سمٹ آتے ہیں یہاں تک کہ کیڑوں مکوڑوں کو بھی آرام میسر آتا ہے اس کیفیت کی قسم کی گئی ہے مقاتل نے کہا کہ رات جو ظلمت کا بوجھ اٹھاتی ہے اس کی قسم کی گئی ہے(29)۔لسان العرب نے اس لفظ کا معنی بوجھ اٹھانا کیا ہے(30)۔یہی وجہ ہے کہ قشیری نے اس کا معنی کیا قسم ہے رات کی جب وہ ستاروں کا بوجھ اٹھائے(31)۔سعید ابن جبیر اس کا معنی کرتے تھے رات کے وقت تہجد پڑھنا اور کثرت کے ساتھ استغفار کرنا "وسق" ہے(32)۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

"اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے"۔

سورہ انشقاق کا عمود انسان کے سامنے تکوین اور تشریح کے آئینہ میں مختلف احوال اتار کر آخرت پر یقین پیدا کرتا ہے۔احوال اور شئوون کے بیان کرنے کے لئے چاند سے زیادہ خوبصورت مثال نہیں ہو سکتی۔اس کی ٹھنڈی اور گہری روشنی طبیعتوں اور خیالات کے سمندر میں تلاطم پیدا کرتی ہے۔اس کی خاموشی اور ستاروں کی بارات میں رہ کر بھی اس کی تنہائی ان دیکھے محبوبوں کو تلاش کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔فکر تھوڑی سی بھی سلجھی ہوئی ہو تو چاند کو دیکھ کر چاند کے خالق کی پہچان پیدا کرنا مشکل نہیں رہتا۔چاند کا پیارا پیارا نور جہاں محبتوں کو دو آتشہ کرتا ہے وہاں اس کا سکون غمزدہ روحوں کے لئے لوریوں کا کام دیتا ہے۔دنیا بھر میں زبانوں کے ادب چاند کو ایک خاص مقام دیتے ہیں۔یہ حسن

وجمال کا استعارہ ابھی ہے اور سکون اور اطمینان کا چشمہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر شاعر گیت اگلتے ہیں۔ ادیب ادب تخلیق کرتے ہیں۔ اس کی عادتیں بڑی محبت والی ہیں۔ اسے فطرت نے اداؤں میں ندرت بخشی ہے۔ یہ کبھی منہ چھپالیتا ہے اور کبھی رات کی دبیز چادر چہرے سے اتار دیتا ہے۔ رنگ روپ بدل بدل کر کبھی دولہا نظر آتا ہے اور کبھی دلہن بن جاتا ہے۔ کبھی چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی بڑا۔ کبھی خرما کی شاخ نظر آتا ہے اور کبھی اپنا گول سامن میں اترنے والا چہرہ سجالیتا ہے۔ اس کی نیرنگیوں میں دلچسپیاں ہیں اور اس کی پرسکوت زبان میں اثر ہے۔ قرآن حکیم نے اس نور پارے کو احوال کے بدلنے کے عالی انسانی مشاہدہ کی تکمیل کے لئے کھلی کتاب بنادیا اور فطرت کی اس ضوفگن شمع میں جو محاسن جمع کر دیئے گئے ہیں گویا انہیں دیکھنے پڑھنے کی دعوت دے دی۔ چاند کی قسم کرکے اس میں احوال کی تبدیلی کو سبق بنادیا جو انسان کے لئے عبرت آموز ہے۔

لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

''تمہیں ضرور منزل بہ منزل اوپر چڑھنا ہے''۔

یہ ہے وہ مضمون جس پر شفق، وسعتوں بھری شب اور روشنیوں کو جمع کر دینے والے چاند کی قسم کی گئی۔ اس آیت میں انسانی زندگی میں گزرنے والے احوال کو سواری سے تعبیر کیا گیا۔ سید قطب لکھتے ہیں کہ عربی محاورے میں معاملات اور زمانے کے حالات پر سواری کرنا مانوس طرز بیان ہے۔ شعرا اور ادیب اس ترکیب کو کثرت سے بیان کرتے ہیں۔ واقعات اور حوادث ہر انسان کے لئے نئے نئے مرحلے لاتے ہیں، ایسے ہی جیسے شفق رات اور چاندنی دھیرے دھیرے ایک دوسرے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔

ابن عاشور نے بہت خوبصورت لکھا کہ اس آیت میں ''رکوب'' اور'' طبق'' دونوں لفظوں کی حقیقتیں اور مجاز معانی اور مطالب میں وہ وسعت پیدا کرتے ہیں کہ آیت اعجاز قرآنی کا نمونہ بن جاتی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ''رکوب'' کا حقیقی معنیٰ اگر یہاں متعذر بھی ہو تو مجاز کی یہ تصویریں جن میں غلبہ، متابعت، سلوک، اقتحام، ملازمت اور رفعت کے رنگ جھلکتے نظر آتے ہیں۔

طبق کا اساسی معنیٰ کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ حجم اور قدر میں مساوی ہونا ہوتا ہے۔ اسی سے ''طابق النعل بالنعل'' کہا جاتا ہے۔ جوتا کا دوسرے جوتے کے مساوی، برابر اور مشابہ ہونا۔ اسی سے کھانا اور پھل پیش کرنے کے لئے جو ظروف مساوی بنتے ہیں انہیں ''طباق'' کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی لیے مجازاً یہ لفظ انسانوں کی جماعت کے لئے بھی مستعمل ہو جاتا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کو یوں بھی سمجھا ہے:

تم زینہ در زینہ اوپر چڑھتے جاؤ گے یعنی پہلے تم معصوم بچے تھے۔ تھوڑے بڑے ہوئے لڑکپن آ گیا، پھر جوانی مسکرانے لگ گئی۔ شباب ڈھلا تو ادھیڑ عمر نے آواز مار دی۔ یہ مرحلہ گزرا تو بڑھاپا آ گیا۔ یہ یکے بعد دیگرے مراحل ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے اشارا کیا۔ سیاق بیان قاری کی توجہ کو اس طرف خود بخود لے گیا کہ بڑھاپے پر پہنچ کر اس سفر نے ختم نہیں ہونا موت پھر برزخ اور پھر قیامت اور پھر طبق در طبق جنت اور دوزخ میں دخول اور پھر وہاں بھی مرحلے، درجے گویا اے انسان تیرا سفر طویل ہے۔ تجھے توشہ مضبوط اختیار کرنا چاہیے یقیناً وہ ایمان اور عمل صالح ہی کی دولت ہو سکتی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا کہ اس آیت کا تعلق حضور نبی کریم ﷺ کے سفر معراج سے ہے۔ آپ طبق در طبق سفر کر کے دنا فتدلی کے مقام پر فائز ہو جائیں گے (33)۔

مقاتل نے ''طبقاً عن طبق'' سے مراد موت اور موت کے بعد زندگی مراد لی ہے (34) جبکہ عطا اس کی تفسیر دنیوی احوال سے کرتے تھے (مواہب الرحمٰن: سید امیر ایضاً تفسیر مظہری ایضاً زاد المسیر ایضاً امیر ان اوضح) بعض لوگوں نے تسخیر کائنات کے مختلف مراحل اس آیت کی تفسیر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آیت میں توسع ہے۔ آیت کا ہر حرف ''تو شب آفرید چراغ آفریدم'' کی حقیقتیں کھول رہا ہے۔ واللہ اعلم

فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُونَ ﴿۲۱﴾

''تو کیا ہے انہیں وہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے سجدہ نہیں کرتے''۔

قرآن نے پہلے انسان پر گزرنے والے احوال کی کتاب کھولی۔ باپ کی پیٹھ سے نطفہ بن کر تخلیق کا جامہ پہننے تک، آغوش سے لے کر قبر میں اترنے تک، صحت بیماری سے لے کر خوشی اور غم تک، نفسیاتی مسائل کی تلخیوں سے لے کر شدائد حیات تک اور قومی زندگی میں عروج وزوال کی کہانیوں سے لے کر روحانی زندگی کے تھپیڑوں تک انسان بہت کچھ دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ قرآن حکیم بڑی تیزی کے ساتھ

ایک سریع فکری گرفت کرتا ہے کہ نوع بشر کو پھر کیا ہوا کہ وہ حق اور توحید کے واضح دلائل دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتی اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ لوگ جھکتے کیوں نہیں۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ فکری گرفت کو دعوت بنا دیا اور پھر دعوت کو بھی دلیل کے ساتھ مستحکم کیا یعنی کائنات ساری دلیلوں سے بھری ہے لیکن قرآن حکیم جیسی ٹھوس علمی، ادبی، روحانی اور انقلابی دلیل کہیں اور نہیں۔ قرآن کے مضامین اور مشمولات اس کی دعوات اور تنبیہات خود بتاتی ہیں کہ یہ کسی انسانی ذہن کی تخلیق ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے۔ آیت میں قرآن حکیم نے نظری دلائل کے ساتھ عملی دلیل کو بھی جوڑ دیا اور فرمایا انہیں کیا ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔

آیت میں اگرچہ سجدہ سے مراد خضوع، اطاعت اور تسلیم ہے لیکن جب حضور ﷺ نے یہ آیات پڑھی تھیں تو سجدہ ادا فرمایا تھا اس لئے تقریباً تمام فقہا یہاں سجدہ دینے کا حکم دیتے ہیں (36)۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝٢٢ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝٢٣ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢٤

''بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے تو آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیں''۔

منکرین حق کی نظریاتی، عملی، ظاہری اور باطنی گندگیوں کی تصویر کشی کی گئی۔ پہلے بتایا گیا کہ یہ اللہ کے سامنے جھکتے نہیں۔ تسلیم واطاعت ان کے قریب سے بھی نہیں گزری، پھر بتایا یہ محض جہالت کے پردوں میں لپٹے ہوئے نہیں نظریاتی اعتبار سے قرآن کی تکذیب کرنے کے بھی مجرم ہیں۔ گویا ایک جرم یہ ہوتا ہے کہ بندہ خود کو خراب کئے ہوتا ہے۔ یہ لوگ سرکشی اور ڈھٹائی میں دوسروں کو بھی خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں کیا چھپائے ہوئے ہیں۔

''یوعون'' ''وعا'' سے ماخوذ ہے اس کا معنی ظرف اور برتن ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے:

ان هذه القلوب اوعيه فخير ها اوعاها

''یہ دل ظروف ہیں ان میں سے بہترین وہی دل ہوتا ہے جس کی حفاظت زیادہ ہوتی ہے''۔

اللہ پاک کا یہ فرمانا کہ مکذبین جو کچھ بغض، حسد، انکار، تمسخر اور عداوت رسول اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ آگے فرمایا کہ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیجئے۔ یہاں بشارت کا لفظ طعن اور سرزنش کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

''مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے اجر جو کبھی ختم نہ ہوگا''۔

حق ناشناسوں، نابکاروں اور مکذبین کی سرزنش کے بعد کلام کا رخ اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کی طرف پھیرا گیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

ممنون ''من'' کے مادہ سے انقطاع اور ختم ہونے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ منت اور منون سے بھی ممنون ممکن ہے۔ غور وفکر سے ان تمام معانی کا یہاں جمع کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ آخرت کی نعمتیں دنیوی نعمتوں کی طرح نہیں کہ جاوداں نہ ہوں۔ ان میں انقطاع ہو یا وہ منت واحسان کے نیچے دبی ہوئی ہوں۔

سورہ انشقاق کی تفسیر بلد الامین مکہ شریف میں شروع ہوئی تھی اور اب جب اختتام کی توفیق ہوئی تو میں مرکز الشاعر کے کمرہ نمبر 306 میں نزیل مدینہ المنورہ میں ہوں۔ کھڑکی کھلی ہے سامنے گنبد خضریٰ ہے اور نسیم مدینہ خوشبوئیں بکھیر رہی ہے۔ سورج افق پر شفق بکھیرنے کی تیاری میں ہے۔ مسجد نبوی کے خوبصورت مینار ہدایت کے روشن نشانات نظر آ رہے ہیں۔ میری نظریں کبھی گنبد خضریٰ پر اور کبھی حدیقۃ البقیعہ کے خوبصورت درختوں سے ٹھنڈک اور سکون حاصل کر رہی ہیں، لگتا ہے جینا زندگی کے انہی لمحوں میں نصیب ہوا ہے۔

اے مالک!

اے رب

الٰہی یا الٰہی یا الٰہی

خاموشی کی زبان سننے والے!

افق پر شفق کے رنگ بکھیرنے والے!

رات میں وسعتیں سمو دینے والے!
چاند کو حسن اور جمال سے نوازنے والے جمیل رب!
ہم تیرے ہیں
طبق در طبق اپنا بنائے رکھ
حال در حال نوازشوں کی بارانِ رحمت برسائے رکھ
جب آسمان پھٹے!
زمین اپنا جگر فگار کرے
مادرِ گیتی جو کچھ اندر ہے اسے اگل ڈالے
اور
حساب کتاب کا وقت آ پہنچے
رب!
میرے رب!
ہم سب کے رب!
صحیفۂ عمل داہنے ہاتھ میں دینا
حساب یسیر رکھنا
گندگیوں اور عیبوں کو مٹا دینا
عفو و درگزر سے کام لینا
پھر اپنوں کی طرف لوٹا کر مسرور کرنا
اے اللہ گندوں کے انجام سے محفوظ رکھنا
دنیا تیرے اور تیرے محبوب کے بنائے ہوئے راستے سے بھٹک گئی ہے۔
مولا!
صراطِ مستقیم نصیب فرما
پھر
اس پر قائم فرما
دم دم اللہ
دم دم اللہ
کشتی تجھی پہ چھوڑی
کریما! معاف کر دے
ہم تیرے آستانِ رحمت کے گداگر ہیں
نور دے، نور میں رکھ اور نور کے ساتھ اٹھا اور نور کی طرف اٹھا
اللہ اللہ دم دم اللہ
تیرے نبی اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام

☆☆☆

حوالہ جات

(1) فتح القدیر: شوکانی
(2) فتح القدیر: شوکانی ایضاً روح البیان

(3) روح المعانی: آلوسی
(4) روح البیان: اسماعیل حقی
(5) روح المعانی: آلوسی ایضاً تفہیم البخاری ایضاً تفسیر ابی سعود
(6) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی
(7) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(8) تفسیر کبیر: رازی ایضاً روح المعانی: آلوسی ایضاً انوار التنزیل: بیضاوی
(9) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً البحر المحیط ایضاً تفسیر کبیر رازی ایضاً روح البیان
(10) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً تفسیر مظہری ایضاً آلوسی ایضاً ابوحیان اندلسی
(11) تفسیر القاسمی ایضاً جامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً الکشاف: زمخشری ایضاً التبیان
(12) القرآن: سورہ طور آیت 21
(13) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً الکشاف: زمخشری ایضاً تفسیر ابی مسعود ایضاً: المحرر الوجیز ایضاً قرطبی ایضاً رازی
(14) روح البیان: اسماعیل حقی
(15) سورہ المطففین: 31
(16) سورہ طور: 26،27
(17) سورہ الحاقہ: آیت: 25
(18) التحریر والتنویر: ابن عاشور
(19) سورہ النساء: آیت 47
(20) الیسر التفاسیر: ابوبکر الجزائری
(21) الیسر التفاسیر: ابوبکر الجزائری
(22) جامع الاحکام: مخدوم جہانیاں
(23) سورہ الحاقہ آیت: 23
(24) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن عاشور ایضاً مجمع ایضاً نمونہ
(25) المفردات: راغب اصفہانی
(26) تفسیر قرطبی: قرطبی
(27) تاج العروس: زبیدی حنفی
(28) فی ظلال القرآن: سید قطب
(29) الجامع لاحکام القرآن: علامہ قرطبی
(30) لسان العرب: ابن منظور
(31) تفسیر قشیری: علامہ قشیری
(32) تفسیر الجامع: قرطبی
(33) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(34) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً تفسیر مظہری ایضاً روح البیان
(35) مواہب الرحمن: سید امیر ایضاً تفسیر مظہری ایضاً زاد المسیر ایضاً المیزان
(36) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً روح البیان ایضاً ابن عاشور ایضاً تفسیر مظہری ایضاً تفسیر قرطبی

WWW.NAFSEISLAM.COM

☆☆☆

یہود و نصاریٰ کی پیروی

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابی سعید ﷺ ان النبی ﷺ قال لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبرا و ذراعا بذراع حتیٰ لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یارسول اللہ ﷺ الیهود و النصاریٰ قال فمن؟

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، باب ۵، حدیث ۳۴۵۶)

حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایاتم ضرور بضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے بالشت کے مقابلے میں بالشت اور گز کے مقابلے میں گز حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔ (حضرت ابو سعید ﷺ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ؟ فرمایا اور کون؟

حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو بنی اسرائیل کے ذکر کے ضمن میں ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حدیث نمبر ۷۳۲۰ کے طور پر بھی نقل کیا ہے۔ البتہ بعض الفاظ کا فرق ہے پہلی روایت میں حتی لو سلکوا ہے یہاں تو دخلوا ہے (اور یہاں سلکوا سے مراد بھی داخل ہونا ہی ہے (چلنا نہیں) اور ''سلکتموہ'' کی جگہ ''تبعتموہ'' ذکر کیا اور یہاں سلکتموہ سے مراد بھی ان کی اتباع ہے لہٰذا معنیٰ کے اعتبار الفاظ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کا معجزہ ہے اور یہ معجزہ غیب کی خبر دینے کی قسم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو علوم غیبیہ عطا فرمائے کیونکہ غیب کی خبر نبی کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔

سابق شیخ الازہر علامہ سید محمد طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''التفسیر الوسیط'' میں آیت کریمہ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبه احدا الا من ارتضیٰ من رسول ۔ (سورہ جن آیت ۲۶،۲۷)

''غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے ''

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن) کے تحت لکھتے ہیں:

فلا یطلع علی غیبه احدا من خلقه الاالرسول الذی ارتضاہ و اختارہ من خلقه فانه سبحانه قد یطلعه علی بعض غیوبه لیکون معجزة لهم دالة علی صدقه امام قومه (التفسیر الوسیط: ۱۵/۱۴۵)

پس وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں جن کو اپنی مخلوق میں سے منتخب کرتا اور چن لیتا ہے بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کبھی ان کو اپنے بعض غیبوں پر مطلع کرتا ہے تاکہ وہ ان کا معجزہ بن جائے اور قوم کے سامنے ان کی صداقت پر دلالت کرے۔

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کی زبوں حالی کا ذکر کیا جب یہ امت اسلام کی سنہری تعلیمات کو اور اپنے آقا ﷺ کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے راستے اور ان کے تمدن کو اختیار کرے گی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے) کے باب میں بھی ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہود و نصاریٰ کی پیروی کتاب وسنت کی تعلیمات سے لاتعلقی کی صورت میں ہوگی۔

رسول اکرم ﷺ ''لتتبعن'' میں نون ثقیلہ جو تاکید کے لئے آتا ہے استعمال کر کے اس بات کو یقین کے ساتھ بیان کیا یعنی یہ محض خیال نہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے بلکہ لازمی طور پر ایسا ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ پیش گوئی اور غیبی خبر کس قدر سچی ہے کہ آج امت مسلمہ کا ایک معتد بہ حصہ یہود و نصاریٰ کی وضع قطع ان کے لباس اور ان کے تمام طور طریقوں کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا اور اسلامی تہذیب وتمدن کو معاذ اللہ دقیانوسی خیال کرتا ہے۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ایک بالشت چلیں گے تو تم بھی ان کے پیچھے ایک بالشت چلو گے اور اگر وہ ایک گز چلیں گے تو تم بھی ان کے طریقے پر ایک گز چلو گے۔

یہی نہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کی پیروی کرتا ہے تو اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ سوچ و بچار کرتا ہے اگر اسے ظاہر میں کوئی نقصان نظر آئے اور وہ اس اتباع کے نقصان کے بارے میں غور وفکر نہ کرے تو اگر چہ یہ اتباع اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے لیکن جب اس اتباع کا نقصان واضح ہوتو وہ کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے لیکن رسول اکرم ﷺ نے گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کی مثال دے کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ امت مسلمہ، یہود و نصاریٰ کی اتباع میں ہر قسم کی تکلیف اور نقصان تک کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ کیونکہ گوہ کا سوراخ تنگ ہوتا ہے تو جب گوہ کی سوراخ میں داخل ہونے تک یہود و نصاریٰ کی اتباع اختیار کر لی جائے تو اس سے آسان کاموں میں اتباع

بدرجہ اولیٰ اختیار کریں گے۔

امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والذی یظهر ان التخصیص انما وقع لجهر الضب لشدة ضیقه رداء ته و مع ذالک فانهم لاقتصائهم اثارهم واتباعهم طرائقهم لو دخلوا فی مثل هذا الضیق الردئ لتبعوهم ۔(فتح الباری ۶/ ۶۱۲)

ظاہر بات یہ ہے کہ یہ تخصیص اس لئے واقع ہوئی کہ گوہ کا سوراخ بہت تنگ اور ردی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ (مسلمان) ان (یہود ونصاریٰ) کے نشانات پر چلنے اور ان کے طریقوں کی اتباع کی وجہ سے اگر وہ اس قسم کی تنگ اور بے کار جگہ میں داخل ہوں گے تو یہ بھی ان کے پیچھے جائیں گے۔

گویا یہود و نصاریٰ کوئی حقیر ترین کام کریں تو بھی یہ ان کی اتباع کریں گے۔ جب صحابہ کرام نے سوال کیا کہ کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اور کون مراد ہے؟ اس کو استفہام انکاری مراد ہے یعنی وہی مراد ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور ان کے طور طریقے اختیار کرنے سے منع فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نمازی کے لئے اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ یہودی ایسا کرتے ہیں۔ (ایضاً)

اس طرح کی دیگر کئی مثالیں اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات موجود ہیں، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ کئی کلمہ گو مسلمان مرد اور خواتین مغربی ثقافت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اسلامی ممالک میں بھی بے حیائی کا سیلاب آچکا ہے۔ عورتوں کا نیم برہنہ لباس جو روز بروز نئی شکل اختیار کر رہا ہے جس سے بے حیائی میں اضافہ ہو رہا ہے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان اپنا تشخص بحال کریں، اسلامی تہذیب وثقافت کو اختیار کریں اور عذاب خداوندی کو دعوت دینے سے گریز کریں۔ اسلامی تہذیب فطرت کے مطابق اور شرم وحیا کی پیکر ہے اور آج غیر مسلم بھی اس تہذیب کی پناہ میں آنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

☆☆☆

سرمایہ ملت کا نگہبان

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ

از نسل خلیفہ دوم امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ

محمد یوسف مجددی

تعارف ونسب: غوث المحققین، قطب العارفین، قطب الارشاد فرد الافراد، قیوم زمانی، محبوب صمدانی امام ربانی المعروف مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی سرہ العزیز کا اسم گرامی احمد کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین خطاب امام ربانی مجدد الف ثانی اور والد گرامی کا اسم شریف شیخ عبدالاحد ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب امام العادلین امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ تک ستائیس واسطوں سے پہنچتا ہے، جو کچھ یوں ہے:-

شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ رفیع الدین بن شیخ نصیرالدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین ملقب بہ فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیرالدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ الواعظ الاصغر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراھیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

محقق خاندان مجددیہ حضرت ابوالحسن زید فاروقی دہلوی مدظلہ العالیہ نے "مقامات خیر" میں اکتیس واسطوں سے نسب درج کیا ہے:-

شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی بن شیخ نورالدین بن شیخ نصیرالدین شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ الواعظ الاصغر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عمر بن شیخ حفص بن شیخ عاصم بن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سیدنا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر پاک پتن قدس سرہ کا شجرہ نسب آپ کے اجداد میں سولہویں نمبر پر ملتا ہے جو اس طرح ہے:-

بابا فریدالدین بن شیخ جمال الدین بن سلیمان بن قاضی شعیب بن محمد احمد بن محمد یوسف بن شیخ محمد بن شہاب الدین ملقب بہ فرخ شاہ کابلی۔

سرھند شریف

سرہند بگو کہ رشک چمن است
خلد یست بریں کہ بر زمین است

سرہند کا اصل صحیح لفظ "سہرند" ہندی کے دو لفظوں سے مرکب ہے "سہ" بمعنی شیر اور "رند" بمعنی جنگل یعنی "شیروں کا جنگل" جو امتداد زمانہ سے سرہند بن گیا۔

اصل میں اس جگہ ایک بڑا جنگل تھا۔ جہاں شیر بکثرت تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں عمال شاہی خزانہ لاہور سے دہلی لے جا رہے تھے کہ اس مقام پر ان کا پڑاؤ ہوا۔ ان میں ایک عارف باللہ صاحب کشف مرد بھی تھا۔ اس نے اپنی چشم باطن سے دیکھا کہ اس خطہ سے ایک نور تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک جاتا ہے اور اپنے نور فراست سے معلوم کیا کہ اس جگہ ایک بزرگ جلیل القدر ہوں گے جن سے دین اسلام کی ترویج و تجدید ہوگی۔

یہ قافلہ دہلی پہنچا تو اس صاحب کشف بزرگ نے بادشاہ کے مرشد مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین قدس سرہ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، تو انہوں نے بادشاہ سے فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں سینہ بہ سینہ یہ وصیت چلی آرہی ہے کہ برصغیر ہندوستان میں ہجرت نبوی سے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ ظہور فرمائیں گے جن سے تجدید ترویج دین اسلام عظیم طریقہ پر ہوگی اور اس کو اولیاء سابقین کے تمام کمالات و فیوضات حاصل ہوں گے۔

شیخ مخدوم جہاں قدس سرہ نے بادشاہ فیروز شاہ تغلق سے فرمایا:

"اگر اس جگہ ایک شہر کی بنیاد رکھی جائے تو اس سے آپ فیض عظیم کے حامل قرار پائیں گے"۔

چنانچہ فیروز شاہ تغلق نے فی الفور اپنے وزیر فتح اللہ کو اس جگہ شہر بنانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس طرح اس جگہ جنگل کو صاف کر کے قلعہ کی بنیاد رکھی گئی لیکن عجیب واقعہ یہ ہوا کہ جس قدر تعمیر دن کو مکمل ہوتی تھی رات کو گر جاتی تھی کافی دن کے بعد جب تجسس بڑھا تو بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔

بادشاہ مخدوم جہانیاں قدس سرہ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ رفیع الدین (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے چھٹے جد امجد اور وزیر فتح اللہ کے برادر خورد) کو تعمیر شہر پر مقرر فرمایا شیخ رفیع الدین نے وہاں پہنچ کر اپنے نور باطن سے معلوم کیا کہ وزیر نے ایک نوجوان صاحب حال اور صاحب دل بزرگ کو بیگار میں پکڑ کر مزدوروں میں شامل کیا ہے وہ رات کو توجہ ڈال کر گرا دیتا ہے آپ

نے اس بزرگ کو شناخت کیا۔ وہ حضرت بو علی قلندر قدس سرہ تھے۔

شیخ رفیع الدین قدس سرہ نے حضرت بو علی قلندر قدس سرہ سے معذرت کی اور عزت افزائی فرمائی تو حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ نے فرمایا: میں نے یہ سب کچھ صرف آپ کو بلوانے کے لئے کیا تھا اور یہ سب حکم خداوندی کے تحت تھا کیونکہ آپ کی نسل سے ہی وہ وحید امت پیدا ہو گا جس کے لئے یہ شہر تعمیر کیا جا رہا ہے، چنانچہ قلعہ اور شہر کی تعمیر شیخ رفیع الدین قدس سرہ کے اہتمام سے ۷۰۱ھ میں سرانجام پائی اور یہیں آپ نے سکونت فرمائی۔ آپ کا مزار اقدس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے روضہ کے شمال میں تھوڑے فاصلہ پر ہے۔

امتداد زمانہ سے یہ شہر "سہرند" سے "سرہند" یعنی (ہندوستان کے شہروں کا سر) بن گیا۔ یعنی اس شہر کی دینی عظمت و رفعت ہندوستان کے باقی تمام شہروں میں ایسے ہے جسم انسانی میں سر کی عظمت باقی اعضاء کے مقابلہ میں ہے۔

مغل شہنشاہ شاہجہان (جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا مرید اور آپ کی اولاد کا معتقد تھا) نے ۱۰۴۴ھ میں ایک عالیشان محل اور باغ تعمیر کرایا اور ۱۱۷۰ھ تک شہری آبادی میں ترقی رہی۔ اس کے بعد سکھوں نے اس شہر کو تباہ و برباد کر کے اجاڑ دیا اور یہ شہر ویران ہو گیا، پھر کافی مدت بعد کچھ آبادی ہوئی۔ یہاں ہر سال ۲۸ صفر المظفر کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا عرس مبارک منعقد ہوتا رہے اور آج بھی ہزار ہا برگزیدہ ہستیاں بلندی درجات و مقامات پر فائز ہوتی ہیں۔

اولیائے متقدمین کی بشارتیں

۱۔ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ:۔

جناب غوث پاک نے خبر دی ان کی آمد کی
ظہور ہو گا ہند میں مجدد الف ثانی کا

روضۃ القیومیہ اور دیگر کتب میں منقول ہے کہ ایک روز حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز جنگل میں مراقبہ میں تھے کہ یکایک آسمان سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے تمام عالم منور ہو گیا اور آپ کو القاء ہوا کہ یہ نور اس صاحب عزیز کا ہے جو تقریباً پانچ سو سال بعد ظاہر ہو گا۔ جب تمام عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گی اور وہ دنیا سے شرک و اتحاد کو نابود کر دے گا۔ دین اسلام کو تجدید کر کے دین کو تازگی بخشے گا۔ اس کے فرزند بارگاہِ احدیت کے صدر نشیں ہوں گے۔

اس واقعہ کے مشاہدہ کے بعد حضرت غوث الاعظم قدس سرہ نے اپنے خرقہ خاص کو اپنے کمالات سے مملو کر کے اپنے صاحبزادے تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہ کو تفویض کر کے ارشاد فرمایا:

"یہ خرقہ ہماری نسل سے سلسلہ بسلسلہ اس بزرگ کو پہنچانا"

چنانچہ آپ کی اولاد میں وہ خرقہ ایک کے بعد دوسرے کے سپرد ہوتا رہا حتیٰ کہ ۱۰۱۳ھ حضرت غوث الاعظم جیلانی قدس سرہ کی نسل میں سید شاہ سکندر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کے حکم کے مطابق وہ خرقہ حضرت مجدد کی خدمت میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

۲۔ مثل اصحاب کبار:۔ شیخ احمد جام قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد سترہ آدمی میرے ہم نام پیدا ہوں گے ان میں سب سے آخر میں یعنی سترہویں جو مجھ سے چار سو سال بعد اور حضور رسالت مآب ﷺ سے ایک ہزار سال بعد ہوں گے۔ وہ اصحاب رسول ﷺ کے بعد اولیائے امت میں سے افضل ہوں گے۔

حضرت شیخ احمد جام قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہیر الدین عیسیٰ قدس سرہ رموز العاشقین میں فرماتے ہیں کہ آخر عمر تک میرے والد گرامی کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی بیعت کی تھی۔ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے اکثر مشائخ کبار کے حالات کتب میں دیکھے ہیں لیکن آپ کے حالات سب سے ممتاز ہیں، تو آپ نے فرمایا: مجھ سے چار صد سال بعد ایک بزرگ میرے ہم نام ہوں گے ان کے حالات مجھ سے کئی افضل اور مثل اصحاب کبار ہوں گے۔ حضرت شیخ الاسلام کی وفات ۵۳۶ھ میں ہوئی۔

۳۔ حضرت خلیل بدخشی قدس سرہ کا الہام: مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ ایک روز شیخ خلیل اللہ نے فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عزیز اور افضل ترین اولیاء امت ملک ہند میں پیدا ہوں گے جن سے شرف ملاقات میسر نہ ہونے کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ انہوں نے ایک خط بطور عرضداشت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نام تحریر کیا اور اپنے خلیفہ خواجہ عبد الرحمٰن بدخشی کو دیا جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس خط میں آپ سے دعا کی استدعا کی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے قبول فرما کر دعا فرمائی۔ حضرت شیخ خلیل اللہ بد

چشتی اولیاء کبار میں سے ممتاز مقام پر فائز تھے۔

۴۔ **قاطع بدعت وضلالت:** حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے والد گرامی جناب عبدالاحد مخدوم قدس سرہ کی بیعت کے وقت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے۔ اس سے شرق وغرب روشن ہوں گے۔ وہ قاطع بدعت وضلالت ہوگا۔ اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو اس کو وسیلہ قرب الٰہی بناؤں گا۔

۵۔ **وحید امت امام وقت مجدد اسلام:** جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں سینہ بہ سینہ یہ وصیت چلی آتی ہے کہ ہندوستان میں زمانہ رسالت سے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ وحید امت ہوگا جس کو اولیاء سابقین کی تمام نعمتیں حاصل ہوں گی وہ امام وقت مجدد اسلام اور فیضان ولایت ونبوت سے مالا مال ہوگا۔

۶۔ **حضرت خواجہ ملنکی قدس سرہ کا ارشاد:** حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حالات کے ضمن میں واقعہ گزر چکا ہے کہ خواجہ ملنکی قدس سرہ کو حضرت باقی باللہ قدس سرہ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تربیت کے لئے دہلی جانے کا حکم دیا۔

۷۔ **دیگر مشائخ کرام کا الہام:** حضرت شیخ سلیم چشتی شیخ نظام نارنولی اور دیگر کبار اولیاء امت اکبر بادشاہ کی بے دینی اور نااہلیت کی شکایت کر کے ترویج اسلام کی دعا کرتے تھے تو ان اولیاء کو توجہ باطنی کے وقت الہام ہوتا کہ عنقریب امام وقت اور مجدد برحق کا ظہور ہوگا جو قاطع بدعت وضلالت ہوگا۔

دنیا کی مذہبی حالت

آفتاب رسالت سید کی مدنی حضور خاتم النبیین ﷺ کو اس دنیائے دوں سے پردہ پوش ہوئے ساڑھے نو صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور دین حقہ میں تحریفات وبدعات ناقابل برداشت حد تک شامل ہو چکی تھیں۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباسیہ کی خلافت ختم ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور اسلام کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی بلکہ مرکز کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

ہندوستان میں یہ دور مغل شہنشاہ اکبر کا دور تھا۔ جو ۹۶۳ھ سے ۱۰۱۴ھ تک پر محیط تھا۔ بادشاہ ان پڑھ اور بے علم ہونے کی وجہ سے دینی سوجھ بوجھ سے قطعاً عاری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دربار علماء سُو اپنی من مانی کر رہے تھے کہ شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی کی بے راہروی اور گمراہی بادشاہ کے دل ودماغ پر قابض ہو چکی تھی اور دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب جاری ہو چکا تھا۔

یہی وہ اکبر بادشاہ ہے جس کو انگریز اور ہندو مورخ مغل اعظم اور اکبر اعظم ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اکبر کے دور حکومت کو مغل بادشاہت کا سنہری دور تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ اکبر اعظم کے بجائے "فاسق اعظم" کا زیادہ مستحق ہے۔

جلال الدین اکبر کا دور حکومت دین اسلام کے لئے نہایت نازک پُرآشوب اور پُرخطر دور تھا۔ معدودے چند علماء حق جو اس وقت تھے ان کی اکثریت نے ہندوستان سے ہجرت کو ترجیح دی جن میں محدث اعظم محقق اعظم شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل تھی۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونی (مصنف منتخب التواریخ) اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ اسرارہم اور دیگر مورخین اسلام اکبری دور کی قباحتوں اور بدعتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

۱۔ اکبر بادشاہ جو خود مسلمان بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا نے ایک نیا دین "دین الٰہی" کے نام سے جاری کیا تھا جس کے تحت وہ خود کو مجتہد کہتا اور آفتاب کی تعظیم کرتا تھا۔

۲۔ فرعون مصر کے بعد اکبر شاید پہلا بادشاہ جو دربار میں کھلے بندوں درباریوں سے خود کو سجدہ کراتا تھا۔

۳۔ مساجد اور مزارات کی مرمت ہی نہیں حرمت وعظمت بھی ختم ہو چکی تھی۔

۴۔ اکبر بادشاہ بذات خود تلک لگا کر مندروں اور گرجوں میں جاتا اور کفار کی رسوم جاری کرتا تھا۔

۵۔ پابند شرع علماء کو سخت ایذائیں دی جاتی تھیں اور شعائر اسلام پر برملا طعن کیا جاتا تھا۔

۶۔ گائے کی قربانی کلی طور پر ممنوع ومتروک ہو چکی تھی۔

۷۔ علماء سُو اور دنیا طلب علماء بکثرت تھے جو اسلام میں ڈھیل کی اجازت دیتے تھے اور خود بھی بدعات میں مبتلاء تھے۔

۸۔ بعض غلط عقائد کے لوگ جو مسند نشین ہو گئے تھے۔ وہ مریدوں سے اپنے آپ کو سجدہ کراتے تھے۔

۹۔ درباری ملاقات کے وقت السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر کہتے اور دوسرا جواب میں جل جلالہ کہتا۔

۱۰۔ ان تمام قباحتوں اور بدعتوں کے علاوہ روافض ایک فتنہ عظیم بنے ہوئے تھے۔ جن کو اکبر بادشاہ کے دربار میں بہت اثر ورسوخ حاصل ہو

چکا تھا۔ وہ اہل بیت اطہار کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے۔

الغرض دنیا ایک بار پھر فسق و فجور اور شرک و بدعات میں غرق ہو چکی تھی اور یہ تھے وہ حالات جب اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزار سال بعد دین حق کی مکمل تجدید و ترویج کے لئے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی نقشبندی قدس سرہ العزیز کو ہزار سالہ مجدد مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے بفضل ایزدی اپنے دور کی قباحتوں، بدعتوں اور شرک کا کلی طور پر ازالہ فرمایا اور بحکم الٰہی زمانے کی طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا کر ایک دفعہ پھر تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تجدید دین کا ہی ثمرہ تھا کہ جہانگیر کے بعد شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر جیسے دین دار مغل بادشاہوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

ولادت باسعادت: آپ کا اسم گرامی احمد کنیت ابوالبرکات لقب بدرالدین اور خطاب امام ربانی المعروف مجدد الف ثانی ہے۔ ولادت باسعادت سرہند شریف (ہندوستان) میں شب جمعۃ المبارک ۱۴۔ شوال المکرم ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ تاریخ ولادت (خاشع) ۹۷۱ھ تاریخ ۵ جون ۱۵۶۴ء ہے۔

عجیب واقعہ: اسی رات اکبر بادشاہ کو خواب میں دکھائی دیا کہ ایک تند و تیز آندھی نے اسے تخت سمیت اپنی گرفت میں لے لیا۔ بادشاہ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن بس نہ چلا اور بادشاہ اکبر کو زمین پر پٹخ دیا۔ اکبر نے تعبیر دریافت کی تو بتایا گیا کہ آج کسی ایسے بچے کی ولادت ظہور میں آئی ہے جو بڑا ہو کر آپ کے آئین سلطنت کو متزلزل کر دے گا۔

خواب کی تعبیر یقیناً تشویشناک تھی لیکن پورے ہندوستان میں بچے کا پتہ چلانا بہت ہی مشکل کام تھا۔

والدگرامی شیخ عبدالاحد قدس سرہ: آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ عبدالاحد المعروف مخدوم تھا۔ اسی مناسبت سے آپ کی اولاد کو مخدومی کہا جاتا ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے جن کے عین وسط میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذات بابرکات تھی حضرت مجدد قدس سرہ کی ولادت سے پہلے آپ کو خواب میں اشارہ ہوا کہ کوئی کہتا ہے: وقل جاء الحق وزهق الباطل كان زهوقا۔

اس کی تعبیر حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ سے دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ تمہارے ہاں الحاد و بدعت دور کرنے والا فرزند پیدا ہو گا۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد جلیل القدر علماء عصر میں سے تھے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کی دو تالیفات ''کنوز الحقائق'' اور ''اسرار التشہد'' کا ذکر آیا ہے۔ یہ دونوں کتب عربی میں ہیں۔ آپ صاحب تحقیق و تدقیق تھے۔ علوم اسرار و معارف میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

خدا طلبی کا جذبہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اسی وجہ سے ابھی علوم ظاہری کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ آپ کی باطنی کشش آپ کو شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں لے گئی اور ان سے بیعت کا سلسلہ قائم کیا۔ باوجودیکہ آپ شیخ کی خدمت میں رہنا چاہتے تھے، لیکن حضرت شیخ نے فرمایا: ''پہلے علوم ظاہری کی تکمیل کرو پھر علم باطنی کی طرف رجوع کرنا''۔ آپ نے عرض کی: آپ کی ضعیفی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''میرے بعد میرے فرزند شیخ رکن الدین کے پاس آ جانا''۔

چنانچہ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد آپ شیخ رکن الدین کی خدمت میں رہے اور خلافت نامہ حاصل کیا جو کہ عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا علی نمونہ ہے۔ یہ ۹۸۷ھ کا واقعہ ہے۔

تحصیل علوم ظاہری: آپ نے بہت تھوڑے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اکثر علوم متداولہ اپنے والدگرامی قدر سے حاصل کئے تصوف کی کتابیں بھی حضرت مخدوم سے پڑھیں۔ اس کے بعد فضلاء روزگار اور علماء عصر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سیالکوٹ میں فاضل محقق حضرت کمال کشمیری سے معقولات کا علم حاصل کیا۔ حدیث مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھی (مولانا یعقوب کشمیری قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور انھوں نے حرمین شریفین میں خود جا کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کی ہوئی تھی) مشکوٰۃ شریف، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی پڑھیں اور انہی سے قصیدہ بردہ کی اجازت حاصل کی۔ قاضی موصوف کو کتب مذکورہ کی اجازت شیخ عبدالرحمٰن بن مندب سے تھی جن کا گھر آباو اجداد سے ''بیت الحدیث'' کہلاتا تھا۔

القصہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سترہ سال کی نوجوانی کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اس دور کے فضلائے روزگار میں شمار ہوتے تھے اور حضرت مخدوم کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو کر طلباء کو اپنے علم و فضل کی برکات سے بہرہ ور فرمایا کرتے تھے۔

اسی دوران آپ نے عربی، اردو، فارسی میں متعدد رسائل فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ رسالہ رد شیعہ، رسالہ تہلیلیہ، رسالہ اثبات النبوت اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔

رسالہ ردِ شیعہ: علمائے ماوراء النہر نے ایک رسالہ لکھا اور ثابت کیا کہ شیعہ کافر ہیں۔ اس لئے ان کا مال اور جان مسلمانوں کے لئے مباح ہے۔

اس پر محمد بن فخر بن فخر الدین علی رستمدار شیعی جو مشہد میں تدریس کے منصب پر فائز تھا نے ایک رسالہ "مجالس المؤمنین" لکھا۔ اہل تشیع ہندوستان جو ارباب حشمت وجاہ اور تقرب شاہی رکھتے تھے نے اس رسالہ کو ہندوستان لا کر اس کی تشہیر کی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ان حالات میں باوجود اہل تشیع کے تقرب شاہی کے تردید شیعہ میں قلم اُٹھانا آپ کی دینی حمیت وغیرت کی زبردست دلیل ہے۔

آداب محفل اہل علم: اس زمانہ میں آگرہ دار السلطنت ہونے کی وجہ سے مرکز اہل فضل وکمال تھا چنانچہ حضرت مجدد قدس سرہ بھی اپنے ذوق کی تسکین کے لئے فضلاء روزگار کی ملاقات کے لئے آگرہ تشریف لے گئے۔ قیام آگرہ کے دوران آپ کبھی کبھی اکبر بادشاہ کے وزیر ابوالفضل کے کہنے پر اس کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ ایک دن ابوالفضل فلاسفہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے تو حضرت مجدد قدس سرہ نے اس سے کہا کہ امام غزالی قدس سرہ نے رسالہ "المنقذ من الضلال" میں لکھا ہے" کہ وہ علوم جو کار آمد ہیں۔ جیسے علم نجوم، علم ہیئت اور علم طب تو ان علوم کو فلاسفہ نے انبیائے ماسبق کی کتابوں سے لیا ہے اور جن علوم کو فلاسفہ نے خود بیان کیا ہے جیسے ریاضی تو وہ کسی کام کے نہیں"۔

یہ سن کر ابوالفضل نے کہا:۔

"غزالی نامعقول گفتہ است"۔

اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے اس کلام میں کچھ زیادہ قباحت نہ تھی لیکن اعتبار استعمال کے ضمن میں قباحت ہے۔ اس لئے آپ کو تاب برداشت نہ رہی اور یہ فرما کر چلے آئے:۔ "اگر ذوقِ صحبت ما اہلِ علم داری ازیں ہائے دور از ادب زباں باز دارد"

(اگر تمہیں ہم جیسے اہل علم سے ملنے کا اشتیاق ہے تو ایسے بعید از ادب الفاظ سے اپنی زبان کو روکو)

پھر کئی روز بعد ابوالفضل نے معافی مانگ کر آپ کو بلایا۔

فیضی کی فیض یابی: آگرہ میں رہائش کے دوران حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک روز ابوالفضل کے بھائی فیضی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ ان دنوں اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف میں مصروف تھا۔ آپ کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: آپ خوب وقت پر تشریف لائے ہیں مجھے ایک مقام درپیش ہے، جس کی تاویل وتفسیر بے نقط حروف میں دشوار ہوگئی ہے۔ میں نے بہت دماغ سوزی کی ہے لیکن کوئی مناسب حل نہیں مل سکا۔

اس پر آپ نے قلم اٹھایا اور اس صفحہ کے مطالب بہترین بے نقط الفاظ میں کمال فصاحت وبلاغت سے تحریر فرما دیئے جس سے فیضی دنگ رہ گیا اور آپ کی زبردست علمی قابلیت کا قائل ہوگیا۔

شادی خانہ آبادی: آگرہ میں آپ کا قیام کچھ زیادہ ہی ہوگیا۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ کے والد بزرگوار حضرت مخدوم باوجود پیرانہ سالی کے آگرہ پہنچ گئے اور حضرت مجدد کے ساتھ واپسی پر تھانیسر کے حاکم اور رئیس شیخ سلطان جو علم وفضیلت میں بلند مقام پر فائز تھے کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ جن کو چند روز پہلے خواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنی دختر نیک بخت کا نکاح میرے (رسول اللہ ﷺ) فرزند اور نائب شیخ احمد سے کردے اور خواب میں حضرت مجدد کی شکل بھی دکھا دی۔

حضرت مخدوم جب اپنے عظیم فرزند حضرت مجدد قدس سرہ کے ساتھ شیخ سلطان کے ہاں مہمان ہوئے تو اس نے فوراً آپ کو پہچان لیا کہ یہی وہ شیخ احمد ہیں تو باوجود بیٹی کا باپ ہونے کے نہایت شرم وادب شیخ سلطان نے حضرت مخدوم کی خدمت میں خواب کا واقعہ عرض کر دیا۔ تو حضرت مخدوم قدس سرہ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا: "کس میں اتنی ہمت ہے کہ آقائے دو جہاں سرور کونین ﷺ کے حکم سے سرتابی اور انحراف کا خیال بھی دل میں لا سکے۔ میں اسی وقت تیار ہوں"۔

الغرض حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کی شادی ۲۵ برس کی عمر میں یہیں ہوگئی اور شادی کے ساتھ ہی آپ کو مال اتنا میسر آ گیا کہ آپ صاحب مال بھی ہوگئے۔ یہ بھی حکمت ایزدی تھی کہ آپ فکر معاش سے آزاد رہ کر امت محمدیہ کی اصلاح وتجدید کا کام دل جمعی سے کر سکیں۔

خسر کی شہادت: انہی دنوں اکبر بادشاہ کا گزر تھانیسر سے ہوا تو ہندوؤں کی شکایت پر اس نے شیخ سلطان کو بلایا۔ بادشاہ کے سوالوں کا آپ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا۔ اکبر بادشاہ نے کہا "تو کئی سال سے خراج ادا نہیں کر رہا" ؟

شیخ سلطان نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا:۔

"تو مرتد ہوگیا ہے اس لیے میں نے خراج کا مال علماء، فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ساتھ ہی ایک پتھر بادشاہ کے

چہرے پر مارا اور کہا: "مرتد کو قتل کرنا جائز ہے"۔ پھر بادشاہ کے حکم سے شیخ سلطان کو ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۰ھ کو شہید کر دیا گیا۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

والدگرامی حضرت مخدوم کی رحلت: حضرت مجدد قدس سرہ بھی اس غم سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ خسر کی شہادت کے پچیس یوم بعد 27 جمادی الاخر 1077 کو اسی سال کی عمر میں آپ کے والد گرامی کا بھی وصال ہو گیا۔

حج بیت اللہ کو روانگی: سالہا سال سے آپ کو حج اور زیارت حرم کا شوق تھا لیکن حضرت مخدوم قدس سرہ کی پیرانہ سالی کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن آپ کو جو بھی نعمت ملی وہ حضرت مخدوم کی دعاؤں کا ثمرہ تھا جب حضرت مخدوم اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ تو ۱۰۰۸ھ میں آپ حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہو کر دہلی پہنچ گئے لیکن

می گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں
عالم آشوب نگا ہے سرراہم بگرفت

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت: دہلی پہنچ کر آپ کی ملاقات حسن کشمیری سے ہوئی وہ آپ کے شناسا اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے انھوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے کمالات کا ذکر کیا کہ وہ طریقہ نقشبندیہ کے صاحب کمال ہیں، چونکہ آپ نے اپنے والد گرامی حضرت مخدوم قدس سرہ سے بارہا سنا تھا:

"مرکز ایں دائرہ شاہراہ ایں بادیہ بہ دست طائفہ نقشبندیہ افتادہ است"۔

اور حضرت مخدوم اکثر کہا کرتے تھے: یا اللہ! مجھ کو حضرات خواجگان کے دیار میں پہنچا دے یا ان میں سے کسی صاحب کمال کو یہاں لے آ، تا کہ میں ان کی نسبت سے استفادہ کر سکوں۔

اب جو حضرت مجدد قدس سرہ نے مولانا حسن کشمیری سے حضرت خواجہ قدس سرہ کا ذکر سنا تو کمال اشتیاق سے آپ نے مولانا کی معیت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا عزم اور ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت خواجہ حالانکہ خود اپنے طور سے کسی کو طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت نہیں فرماتے تھے۔ لیکن حضرت شیخ احمد قدس سرہ کو دیکھتے ہی آپ نے فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ شہباز بلند پرواز ہے جس کے لئے مرشد حق نے مجھے ہندوستان پہنچنے کا حکم دیا تھا تو آپ نے اپنی عادت شریفہ کے برعکس ارشاد فرمایا:

"اگر چہ تم نیک سفر مبارک کا عزم کئے ہوئے ہو۔ تاہم کچھ مدت یعنی ماہ بھر یا کم از کم دو ہفتہ فقراء کی صحبت میں گزار لو تو کیا حرج ہے؟

چنانچہ حسب ارشاد آپ نے دو ہفتہ کی مہمانی قبول فرمائی، لیکن دو دن نہ گزرے تھے کہ آپ کی کیفیت بدلی اور حضرت خواجہ کی کشش غالب آئی اور زبان حال سے

"كملت مسافة كعبة الآمال ۔ حمد المن قد من بالاكمال"۔

کہتے ہوئے حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے: "کعبہ مرادات تک پہنچنے کی مسافت پوری ہوئی۔ شکر ہے اس ذات پاک کا جس نے دولت اکمال سے مالا مال کر دیا"۔

حضرت خواجہ نے آپ کو خلوت میں لے جا کر توجہ شروع کی تو اسی وقت آپ کا دل ذاکر ہو گیا اور روز بروز ترقیات و بلند درجات ظاہر ہونے لگے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے سالہا سال ریاضتیں کی تھیں۔ مختلف مشائخ اور سلاسل سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ سینہ پاک صاف مزکّی اور مجلّی تھا یكاد زيتها يضيء ولولم تمسسه نار (یعنی ایسا لگتا تھا کہ اس کا تیل سلگ اٹھے اور ابھی اس کو آگ نہ لگی ہو۔) صرف تیلی دکھانے کی دیر تھی اور وہ حضرت خواجہ کی صحبت تھی۔

چنانچہ ڈھائی ماہ حضرت خواجہ کی دربانی سے مشرف ہوئے اور دولت اکمال و تکمیل اور مبشرات خلافت الٰہیہ حاصل کیں۔

تعمیر مسجد مردانِ خدا: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اڑھائی ماہ حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ کر اپنے وطن سرہند تشریف لے آئے اور اپنے گھر کے نزدیک۔ مسجد مردان خدا میں تعمیر کی۔ جہاں ست ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں فرزندان خدا فیض یاب ہوئے جنہوں نے سر پر تاج رضا رکھ کر مملکت قناعت و تسلیم کی بادشاہی حاصل کی۔

یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے طریقہ نقشبندیہ صدیقیہ نبویہ کی ترویج اطراف عالم میں ہوئی اور یہی وہ مسجد ہے جس کی خاک پر بیٹھ کر ایک مرد حق آگاہ نے اکبر و جہانگیر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست فاش دے کر دین اسلام کو نئی زندگی عطا فرمائی۔

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنا فقین لایعلمون (سورہ المنافقون 8)

''اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں جانتے'' کا ظہور ہوا۔

حضرت خواجہ کی رائے: انہی دنوں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اپنے ایک مخلص کو تحریر فرمایا:

ترجمہ: سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں ان کا نام شیخ احمد ہے کچھ دن فقیر ان کے ساتھ رہا ہے ان کے اوضاع و اطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہو رہے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہوں گے جس سے دنیا روشن ہو جائے گی۔ ان کے کمالات دیکھ کر اللہ کے فضل سے مجھ کو اس کا یقین ہے آپ کے برادران اور اقربا بھی نیک علماء کی جماعت میں سے ہیں ان میں سے بعض افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے میری نظر میں وہ سب جواہر عالیہ ہیں۔ عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں شیخ مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر بچے ہیں اسرار الٰہی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ مثل شجرہ طیبہ کے ہیں اللہ ان کی اچھی پرورش فرمائے۔

شیخ بدر الدین قدس سرہ نے حضرات القدس میں لکھا کہ حضرت خواجہ نے پہلی مرتبہ حضرت مجدد کو دولت کمال و تکمیل کی بشارت دی اور دوسری مرتبہ جب آپ سرہند سے دہلی آئے تو اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا میر محمد نعمان کا بیان ہے کہ:

حضرت خواجہ نے مجھ فقیر محمد نعمان کو فرمایا میاں شیخ احمد کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھو اور ان سے وابستہ ہو جاؤ چونکہ وہ میرے پیر بھائی تھے اس لئے میرے نفس میں خودداری تھی میں نے عرض کی کہ میری توجہ کا مرکز تو آپ کا سنگ در ہے وہ چاہے کتنے بڑے بزرگ ہوں۔ تو آپ نے از روئے غضب مجھ سے فرمایا:

''میاں! شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم ایسے ہزاروں ستارے ان کی ضمن میں گم ہیں اور کاملین اولیائے متقدمین میں ان جیسا خال خال ہوا ہوگا یعنی بہت کم''۔

اور تیسری مرتبہ تو الطاف و عنایات کی حد کر دی حضرت خواجہ کا مسکن قلعہ فیروزی میں تھا جب آپ کو تیسری دفعہ حضرت مجدد قدس سرہ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو پا پیادہ دروازہ کابلی تک استقبال کے لئے تشریف لے گئے۔

اس مرتبہ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے اکرام و احترام میں حد کر دی جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تھے یا کسی راہ پر چلتے تھے تو الٹے پاؤں مراجعت کرتے تھے اور طالبان حق اور حاضرین مجلس سے فرماتے کہ حضرت مجدد کے سامنے میری تعظیم نہ کرو اور اپنے جملہ اصحاب کو آپ کے حوالے کر کے مشیخت و ارشاد کا معاملہ بالکلیہ آپ کے سپرد کر دیا بلکہ اپنے دونوں شیر خوار بچوں کو طلب فرما کر آپ سے ان کے واسطے توجہ طلب کی۔ (حضرت اقدس)

مجدد الف ثانی:

حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور ہزار کا مجدد اور، سو اور ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد اور بدلاء و نجباء ہوں اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔

طبقہ علماء میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہ کا جن تبحر علمی مشہور ہے پہلے عالم ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو مجدد الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدید تصنیف فرمایا مشہور ہے کہ حضرت شیخ مجدد کو تجدد الف کا خلعت جمعۃ المبارک 12۔ ربیع الاول 1010ھ کو زیب تن ہوا۔

قیوم زماں: روضہ قیومیہ میں ہے کہ ایک دن نماز فجر کے بعد مراقبہ میں اپنے اوپر خلعت حالی نورانی پایا اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام ممکنات کی قیومیت کا ہے جو بہ وراثت و تبعیت ختم الرسل ﷺ عطا ہوا ہے اتنے میں حضور ختم الرسل ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ مشہور ہے قیوم زمان کا لقب خلعت دوشنبہ 27 رمضان المبارک 1010ھ کو حضرت مجدد قدس سرہ کو عطا ہوا۔

رشد و ہدایت: جب آپ کو تجدید دین اور قیوم زمان کا خلعت پہنایا جا چکا تو آپ کے کمالات کا شہرہ عالمگیر ہو گیا۔ خلقت آپ کے گرد مور و ملخ کی طرح جمع ہونا شروع ہو گئی۔ ہر ملک میں آپ کے خلفا پہنچ گئے۔ رشد و ہدایت کا بازار گرم ہوا۔ فرمانروایان ایران و توران بدخشاں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بادشاہ ہندوستان جہانگیر کے لشکر میں بھی چیدہ چیدہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے جن میں سے شیخ بدیع الدین

آپ کے نامور خلفاء میں سے تھے۔

وزیر آصف جاہ کا خبث باطن: جب ارکان سلطنت کی کثیر تعداد نے آپ سے بیعت کر لی تو شدہ شدہ یہ خبر آصف جاہ وزیر اعظم کو جو شیعہ مذہب کا پیرو تھا تک پہنچی اور جو پہلے آپ کے تصنیف کردہ رسالہ رد روافض کی وجہ سے بھی آپ کے خلاف ہو گیا تھا۔ اسے بدیع الدین کا لشکر میں قیام اور اشاعت طریقہ نقشبندیہ بہت ناگوار تھی اور شب و روز موقع کی جستجو میں تھا کہ ایک روز بادشاہ کو خلوت میں عرض کی۔

حضور! سرہند شہر کے ایک مشائخ زادہ شیخ احمد جس نے مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس نے اپنے سینکڑوں خلفاء ملک در ملک بھیج دیے ہیں لکھوکھہا آدمی اس کے خلفاء کے مرید ہیں اور اس سے زیادہ اس کے اپنے مرید ہیں ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک خلیفہ مقیم ہے اور امراء سلطانی خان خاناں، فرید بخاری، سید صدر جہاں، خان جہاں خاں، مہابت خاں، تربیت خاں، اسلام خاں، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضےٰ خاں اس کے مرید اور حلقہ بگوش ہو گئے ہیں اور اب معلوم ہوا ہے کہ اس نے ایک لاکھ سوار مسلح اور بے شمار پیادے تیار کر لئے ہیں خوف ہے کہ غفلت میں کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور پذیر نہ ہو جائے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر امراء اس کے معتقد ہیں ان کے تبادلے دور دراز علاقوں میں کر دیئے جائیں۔

بادشاہ کو وزیر کی رائے بہت پسند آئی چنانچہ دوسرے ہی روز علی الصبح دربار خاص منعقد کر کے خان خاناں کو ملک دکن کی صوبہ داری، صدر جہاں کو بنگال کی صوبہ داری خان جہاں کو صوبہ مالوہ کی صوبہ داری اور مہابت خاں کو کابل کی صوبہ داری پر اور اسی طرح سے چار سو امراء کو جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معتقد خاص تھے دور دراز کے علاقوں کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

جب ان سب کے امراء کے مقامات مبتداء پر پہنچے کی اطلاع مل گئی تو جہانگیر بادشاہ نے ایک شاہی فرمان حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے نام جس میں آپ کی ملاقات کا شوق ظاہر کر کے آپ کو معہ مریدین خاص دعوت دی گئی۔ حاکم سرہند کو ارسال کیا کہ خود حاضر ہو کر حضرت صاحب کو پیش کرے۔

جرم محبت: ادھر شیخ مجدد قدس سرہ العزیز کی مجلس میں روزانہ اپنے خدام میں اسی موضوع پر بیان ہوتا کہ وما من نبی الا اوذی۔ یعنی ایسا کوئی نبی نہیں جس کو راہِ خدا میں تکلیف نہ ہوئی ہو۔ وما من ولی الا ابتلی یعنی کوئی ولی ایسا نہیں جس کو بلاؤں میں نہ رکھا گیا ہو اور والبلاء بعقد الولاء۔ یعنی بلاء بقدر محبت آتی ہے۔ اس لئے اب رضائے الٰہی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔

انہی دنوں حاکم سرہند شاہی فرمان لے کر حاضر ہوا۔ ہر چند کہ معتقدین نے اصرار کیا کہ بادشاہ کے دربار میں جانے سے آپ کو سخت خطرہ ہے لیکن آپ تن تنہا حاکم سرہند کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے کیونکہ!

یہ جرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز برسر بام آ عجب تماشائیست

شہزادہ خرم کی سعی: دربار میں حاضری سے پہلے شہزادہ خرم (بعد کا شاہجہاں) جو آپ کا زبردست معتقد تھا نے خواجہ مفتی عبدالرحمٰن اور علامہ افضل خاں کو بمعہ کتب متعلقہ حضرت شیخ مجدد قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا تو مفتی صاحب نے دلیل پیش کی کہ فقہ ایسے سجدہ کو جائز قرار دیتی ہے جو زندگی بچانے کے لئے کسی جابر سلطان کو کیا گیا ہو۔ ان حالات میں تعظیمی سجدہ حرام نہیں رہتا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی عزیمت: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جو جواب دیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آپ نے فرمایا:۔

"یہ حکم بطور رخصت (مصلحت) ہے۔ جان بچانے کے لئے لیکن بطور عزیمت یہ حکم اٹل ہے کہ غیر حق کو سجدہ نہ کیا جائے"۔

مفتی عبدالرحمٰن اور علامہ افضل خاں آپ کے جواب کی جرأت اور عزیمت پر عش عش کر اٹھے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے واپس آ کر شہزادہ خرم کو حالات کی اطلاع دی۔

گردن نہ جھکی: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جب جہانگیر کے دربار میں اس شان سے داخل ہوئے کہ بادشاہ اس مردِ مومن کی دلیری اور جرأت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا، کیونکہ حضرت مجدد نے دربار جہانگیر میں آئین دربار کے مطابق بادشاہ کو سجدہ کرنے کی بجائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا امیر المومنین کہا۔ تو جہانگیر نے اپنی عادت کے خلاف سکوت اختیار کر لیا اور حضرت پر اعتراض نہ کیا لیکن اسی وقت وزیر آصف جاہ بادشاہ سے کہنے لگا۔

"یہی وہ شخص ہے جو آپ کو سجدہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو نعوذ باللہ حضرت صدیق اکبر ﷛ سے افضل کہتا ہے"۔

اس کے بعد بادشاہ کو آپ کا وہ مکتوب پیش کیا جو آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کو تحریر فرمایا تھا اس میں

آپ کی روحانی سیر کا ذکر کیا گیا تھا۔

''اور اس مقام سے اوپر ایک مقام پر جب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے۔ اس مقام سے بھی اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا اس مقام پر بھی پہنچنا نصیب ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بالکل مقابل ایک اور مقام ظاہر ہوا جو نہایت ہی نورانی تھا ایسا نورانی مقام کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے کچھ بلند تھا جس طرح چبوترے کو زمین سے قدرے بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے یہ مقام رنگین اور منقش تھا میں نے اس کے پرتو سے اپنے آپ کو بھی رنگین اور منقش پایا۔ اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا اور ہوا کی طرح یا قطعہ بادل کی طرح آفاق میں منتشر دیکھا''۔

مندرجہ بالا مکتوب پیش کر کے کہا کہ یہ شخص خود کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بلند مرتبہ سمجھتا ہے تو بادشاہ نے برہمی سے پوچھا کیا یہ درست ہے کہ تم خود کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بلند مرتبہ سمجھتے ہو؟ آپ نے جواب دیا:

''ہرگز نہیں! یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اس گستاخی کا مرتکب ٹھہروں''؟

بادشاہ نے پھر پوچھا: ''پھر آپ کی اس تحریر کا کیا مطلب ہے''؟

آپ نے فرمایا: ''میں نے اپنی سیر و عروج کا حال اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور اس حال سے صوفیا کو گزرنا پڑتا ہے اور انہیں پھر اپنے مرتبے اور حال میں واپس آنا پڑتا ہے''۔

بے نظیر مثال: پھر آپ نے ایک بے نظیر مثال پیش کی۔ آپ نے پنج ہزاری، دس ہزاری امراء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اب اگر ان معزز امراء کی موجودگی میں بادشاہ ان سے کم مرتبہ شخص کو اپنے قریب بلائے اور اس سے کچھ راز کی باتیں کہہ کر واپس کر دے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ان امراء کا مرتبہ گھٹ گیا اور اس کم مرتبہ شخص کا رتبہ بڑھ گیا۔

سجدہ تعظیم کے خلاف استقامت: بادشاہ اس دلیل سے قطعی طور پر قائل ہو گیا اور آپ کے جواب سے دل میں خوش ہوا اور کچھ دیر پہلے آپ کے خلاف جو جذبہ موجزن تھا وہ سرد پڑ گیا لیکن اسی وقت ایک خوشامدی امیر نے بادشاہ سے عرض کی۔

''حضور والا! اس شخص کے تکبر اور رعونت کو دیکھیں کہ آپ ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں اور یہ خود بھی آپ کے اس مرتبہ سے واقف ہے لیکن حال یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی تو بہت دور رہا معمولی احترام و تواضع بھی نہیں بجا لایا''۔

یہ سن کر بادشاہ ناگوار لہجے میں بولا:

''شیخ صاحب! آپ کو آداب شاہی کا تو خیال کرنا ہی ہوگا۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اسی وقت سجدہ تعظیمی میں جھک جائیں''۔

آپ نے کمال استقامت سے جواب دیا: ''ہرگز نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے''۔

جہانگیر نے کہا: ''اچھا! ہم آپ کو اتنی رعایت دینے کو تیار ہیں کہ اپنا سر صرف یوں ہی ذرا سا جھکا دیں ہم اسے سجدہ تعظیمی میں شمار کر لیں گے''۔

آپ نے ہمالہ کے عزم سے جواب دیا:

''یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں''۔

جہانگیر کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور رعونت سے بولا: ''ہم آپ کو شاید اتنا مجبور نہ کرتے۔ لیکن اب ہماری زبان سے نکل چکا ہے اس کی تعمیل بہر حال ہونی چاہئے''۔

جہانگیر کی ناکامی: لیکن آپ کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور فرمایا: ''تیرے حکم کی تعمیل سے زیادہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ضروری ہے کیا آپ کو یہ معمولی بات بھی معلوم نہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائز نہیں''۔ جہانگیر پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور اپنے حکم پر عمل کرانے کے لئے اپنے چند زور آور امراء کو حکم دیا کہ ان کا سر جبراً ہمارے سامنے جھکا دیا جائے۔

عجیب و غریب معرکہ: چند طاقتور امراء نے آپ کے سر اور گدی مبارک کو گرفت میں لے کر آپ کی گردن جھکانے کی کوشش کی لیکن آپ نے اپنی پوری طاقت سے خود کو اکڑا لیا۔

ابتدائے آفرینش سے دنیا نے ایسا عجیب و غریب معرکہ کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے وقت کی عظیم و دنیاوی طاقت و عظمت کا مالک شہنشاہ جہانگیر اپنے تمام تر جاہ و جلال اور جبر و قدرت کے باوجود ایک مرد درویش کی صرف گردن جھکانے میں ناکام ہو گیا۔ وہ مرد درویش حضرت مجدد الف ثانی نقشبندیوں کے بے تاج شہنشاہ، خود شناسی اور حق آگاہی کی قوت سے اپنے وقت کی سب سے بڑی طاغوتی طاقت سے نبرد آزما تھے۔

جب یہ حربہ بھی ناکام ہوگیا تو مجبوراً جہانگیر نے حکم دیا کہ ان کو اس چھوٹے سے دروازے میں سے گزارا جائے تاکہ جب یہ اس میں سے جھک کر گزریں تو اسی کو سجدہ تعظیمی تصور کرلیا جائے۔ آپ کو جب اس چھوٹے سے دروازے سے گزرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس دروازے میں سے پہلے ایک ٹانگ گزاری پھر دروازے کو پکڑ کر دوسری ٹانگ گزاری اور پھر سر کو پیچھے کی طرف جھکا کر دروازے سے نکل گئے اور ان کے نفسِ گرم کی گرمی سے بادشاہ کے تمام حربے ناکام ہوگئے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

حضرت مجدد قید میں: آپ کے اس سخت رویہ کو دیکھ کر امراء نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص سے کیا بعید ہے کہ باہر جا کر شورش نہ برپا کردے تو جہانگیر نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔

جہانگیر بادشاہ کا اپنا بیان: تزکِ جہانگیری میں خود جہانگیر اس واقعہ کے متعلق نہایت رعونت کے ساتھ لکھتا ہے:

''انہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکار سرہند میں مکر و فریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے مکر و فریب میں پھانسے ہوئے ہے۔ ہر شہر اور علاقے میں اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک جو معرفت کی دکانداری، معرفت فروشی اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں، خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے۔ مزخرفات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے۔ اس نے اس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور بے ہودہ باتیں لکھی ہیں جو کفر اور زندیقیت تک پہنچتی ہیں۔ ازاں جملہ اس نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے میرا گزر مقامِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے ہوا جو نہایت عالی شان اور پاکیزہ تھا۔ وہاں سے گزر کر میں مقامِ فاروق رضی اللہ عنہ میں پہنچا اور مقامِ فاروق رضی اللہ عنہ سے مقامِ صدیق رضی اللہ عنہ میں آیا۔ اس نے ہر مقام کی تعریف اس کے مناسب حال لکھی ہے پھر اس نے لکھا کہ وہ وہاں سے گزر کر مقامِ محبوبیت میں پہنچا۔ جو نہایت منور و رنگین تھا۔ اس مقام پر اس نے اپنے اندر مختلف انوار اور الوان کو منعکس پایا۔ استغفر اللہ! بزعمِ خود وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی آگے بڑھ گیا اور ان سے بھی عالی مرتبہ پر فائز ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہے اور ادب کے خلاف ہے''۔

اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اسے ہماری عدالت آئین میں حاضر کیا جائے۔ حسب الحکم وہ حاضر کیا گیا۔ میں نے اس سے جو بھی پوچھا وہ اس کا معقول جواب نہ دے سکا بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوا۔ میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ اسے چند دن قید رکھا جائے تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور اس کے ذہن کی آشفتگی دور ہو اور عوام میں اس کے مزخرفات کی وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے وہ رک جائے۔ چنانچہ اسے ''انی رائے سنگھ دلن'' کے حوالے کیا کہ وہ اسے قلعہ گوالیار میں بند کردے''۔

عبارت بالا میں جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے متعلق انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ الزامات لگائے ہیں یعنی:

۱۔ شیخ احمد مکار ہے اور سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلا رہا ہے۔
۲۔ اس کے خلیفے شہر و علاقہ میں معرفت فروشی کے ذریعے لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔
۳۔ اس کے مکتوبات مزخرفات اور واہیات ہیں بعض کفر اور زندیقیت تک پہنچانے والے ہیں۔
۴۔ ہمارے سوالوں کا کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔
۵۔ بے وقوف، کم عقل، نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوا اور شورش پھیلا رہا ہے۔

اصل واقعہ اور سوال و جواب پہلے گزر چکے ہیں۔ سوالات کے جوابات بھی تسلی بخش دیئے جاچکے تھے اصل وجہ تو آخری الزام بے وقوف کم عقل مغرور اور خود پسند، شورش پھیلانا ہے اور شورش یہ تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا اور یہی اصل وجہ تھی یہی جہانگیر نے نہیں بتائی کیونکہ اس سے اصل بھید کھلتا تھا۔ القصہ آپ نے قلعہ میں محبوس قیدیوں میں تبلیغ دین کا کام شروع کردیا اور ہزاروں ہندو مسلمان ہوگئے نیز کثیر التعداد مسلمان آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔

علو ہمت اور صاحبزادگان کو نصیحت: آپ کے صبر و تحمل، برداشت و بردباری، علو ہمت کا اندازہ ان پند و نصائح سے ہوتا ہے جو زمانۂ قید میں قلعۂ گوالیار سے اپنے صاحبزادگان کو لکھیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انبیاء کرام و صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد ایسی علو ہمت اور برداشت و تحمل شاید ہی کسی فرد سے وقوع پذیر ہوئی ہو۔ آپ نے لکھا:

''فرزندانِ گرامی! آزمائش کی گھڑی جتنی بھی کڑوی کسیلی ہو لیکن موقع و فرصت کی گھڑی اگر مل جائے تو غنیمت ہے۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے

فرصت دی ہے لہٰذا اس کا شکر بجالاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور اپنا ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک میں اپنے آپ کو مشغول رکھو۔ تلاوتِ کلام پاک، لمبی قرأت سے ادائے نماز اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تکرار کلمہ لاکہتے وقت اپنے تمام مقاصد ومراوات اور خواہشات نفس کی نفی کرو کیونکہ خواہشات ومراوات کی طلب میں اپنی الوہیت کا دعویٰ مستتر ہے۔ لہٰذا ساحت سینہ میں کسی خواہش کے لئے جگہ نہ ہونی چاہئے۔ نہ کوئی ہوس دماغ میں رہے تاکہ کامل طور پر بندگی ثابت ہو۔ پھر فرمایا حتیٰ کہ میری رہائی کا مقصد جو کہ تمہارے اہم مقاصد میں سے ہے تمہارے دل میں نہ رہے۔ اللہ کی تقدیر اور اس کے فعل وارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ پڑھتے وقت جانب اثبات میں (یعنی الا اللہ کہتے وقت) غیب ہویت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہئے۔ اپنی حویلی، سرا، کنواں، باغ وکتب اور دوسری اشیاء کے غم وفکر کو مزاحم نہ ہونے دو۔ یہ سب چیزیں سہل ہیں۔ اللہ کی رضا تمہاری رضا ہونی چاہئے۔ اگر میں مرتا یہ سب چیزیں جاتیں" گو در حیات مارفتہ باشد" یعنی ان سب چیزوں کا چھوٹنا تو تھا ہی۔ ابھی سے چھٹ جائیں۔ اولیاء نے ان سب چیزوں کو خود چھوڑ دیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں لہٰذا ہم کو شکر بجالانا چاہئے کہ ہم اس کے مخلص بندوں میں سے ہوں۔ مخلص کے لام پر فتح ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے پسند کئے ہوئے بندے)۔

جہاں بھی بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو۔ چند روزہ حیات ہے جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرے۔ اپنی والدہ کو تسلی دو اور آخرت کی رغبت دلاؤ۔ رہی ایک دوسرے سے ملاقات تو اگر اللہ کو منظور ہے میسر ہوگی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی ہو اور دعا کرو کہ دارالسلام میں اکٹھے ہوں اور دنیوی ملاقات کی تلافی کو آخرت میں اللہ کے کرم کے حوالے کریں۔ الحمد الله علي كل حال۔

قید سے رہائی: القصہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تقریباً ایک سال تک گوالیار کے قلعہ میں بند رہے۔

تزکِ جہانگیری میں جہانگیر انتہائی ڈھٹائی سے لکھتا ہے" جمادی الآخر ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء میں نے شیخ احمد سرہندی (قدس سرہ) کو جو اپنی دکان خود فروشی اور بے ہودہ گوئی سے سجانے کی وجہ سے بہ غرض تادیب چند روز قید میں رکھا تھا اپنے حضور طلب کر کے رہا کر دیا اور اسے خلعت اور ہزار روپے بطور خرچ عنایت کر کے جانے اور رہنے کا اختیار دیا۔ شیخ نے ازروئے انصاف کہا کہ یہ تنبیہ وتادیب درحقیقت ایک طرح کی ہدایت اور سبق ہے میرا نقش مراد آپ کی خدمت میں رہنے سے ہی جلی ہوگا"۔

یہاں بھی جہانگیر نے اصل حقائق کو چھپانے کی پوری کوشش کی ہے لیکن اس کے اپنے ہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس نے خلعت اور ہزار روپیہ دیا۔ جو کسی مجرم اور خود سر کو نہیں دیا جاتا۔ اس کے باوجود آپ کو تقریباً تین سال تک اپنے ساتھ پابند رکھا۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان: بہر حال امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے جہانگیر سے درج ذیل احکام جاری کرائے:

۱: بادشاہ کے دربار میں سجدہ قطعی طور پر موقوف کر دیا گیا۔

۲: گاؤکشی (گائے کی قربانی) میں آزادی دی گئی اور گوشت برسر بازار بکنا شروع ہو گیا۔ بادشاہ اور ارکان سلطنت نے ایک ایک گائے دربار عام کے دروازے پر اپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کی، کباب تیار ہوئے اور سب نے کھائے۔

۳: جہاں جہاں ملک میں مسجدیں شہید کی گئی تھیں دوبارہ تعمیر کی گئیں۔

۴: دربار عام کے قریب ایک خوش نما مسجد تعمیر ہوئی اور اس مسجد میں بادشاہ بمعہ امراء نماز باجماعت ادا کرنے لگے۔

۵: شہر شہر محتسب شرعی مفتی وقاضی مقرر ہوئے۔

۶: کفار پر جزیہ مقرر ہوا۔

۷: جس قدر قانون خلاف شریعت جاری تھے، بیک قلم منسوخ کر دیئے گئے۔ دینی تعلیم پھر سے عام ہو گئی۔

مغل شہنشاہان میں طریقہ نقشبندیہ: جہانگیر نے یہ اصلاحات تو جاری کر دیں لیکن کلی طور پر پابند نہ ہو سکا، لیکن شہزادہ خرم جو بعد میں شاہ جہاں کے لقب سے مغل شہنشاہ بنا۔ آپ کا مرید خاص تھا اور اورنگ زیب عالمگیر حضرت مجدد کے صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا مرید خاص بنا۔ جس نے پورے ملک میں نفاذ شریعت کیا اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کرائی۔

گوشہ نشینی اور وفات: اب آپ کا مشن مکمل ہو چکا تھا اور عمر کے تریسٹھویں سال میں داخل ہو چکے تھے اور گوشہ نشینی مکمل طور پر اختیار کر لی تھی۔

ایک دن آپ نے فرمایا" آئندہ جاڑوں میں ہم یہاں نہیں ہوں گے"۔

پھر فرمایا" لوگو! اب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا میری اور تمہاری ملاقات قیامت کے دن ہوگی۔ وہاں رسول مقبول ﷺ دریافت فرمائیں گے کہ شیخ احمد! تو نے کیا خدمات سرانجام دیں۔ اس وقت تمہیں یہ شہادت دینی ہوگی"۔ لوگوں نے بیک آواز کہا:" ہم قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنے فرائض پوری دیانت داری اور محنت سے سرانجام دیئے"۔

آپ نے سکون کی سانس لی اور آب دیدہ ہوگئے۔

زندگی کے آخری دنوں میں خیرات زیادہ ہوگئی۔ وصالِ مبارک سے پہلے رات کے آخری حصہ میں تہجد ادا کی۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور فرمایا "یہ ہماری آخری تہجد اور نمازِ فجر ہے"۔ حسبِ عادت مراقبہ کیا بعد ازاں اشراق بڑی دلجمعی سے پڑھی۔ بالآخر تریسٹھ سال کی عمر میں سہ شنبہ کے دن ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو بوقتِ اشراق، اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اس دنیائے فانی سے اعلیٰ علیین کو تشریف لے گئے۔

مرقدِ پُر انوار: سرہند شریف (بھارت) جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ جہاں مغل شہنشاہوں نے اپنی بے نظیر عقیدت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے عظیم الشان مزار اور گنبد سنگ مرمر سے تعمیر کرایا اور مزارِ مقدس کے ملحق وسیع باغات مغل شہنشاہوں کے خلوص وعقیدت اور ذوق وشوق کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد روضہ مقدسہ کو حاجی ولی محمد حاجی ہاشم خلف حاجی داد ساکن دوراجی ملک کاٹھیاواڑ نے ۱۹۲۵ء/ ۱۳۴۴ھ میں دوبارہ بنوا کر مکمل کروایا ہے اور سنگ مرمر کا عالیشان گنبد دل کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ اس پر پانچ سال کے عرصہ میں ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ جنوبی دروازہ پر یہ لکھا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ

مزار پرانوار حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اس روضہ منورہ بتاریخ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء تعمیر یافت یہ رباعی بھی حضرت مجدد کے مزارِ اقدس کے دروازہ پر لکھی ہوئی ہے:

ز آفاتِ زماں دل تنگ و زارم

مدد کن! یا مجدد الف ثانی

حلیہ مبارک: آپ کا حلیہ مبارک دراز قد، نازک اندام، رنگ گندم گوں مائل بہ سفیدی، کشادہ پیشانی، پیشانی اور رخسار سے نور برستا تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھ کام نہ کرتی تھی۔ آپ کے ابرو سیاہ، دراز و باریک تھے۔ بینی مبارک بلند و باریک، دہن مبارک بڑا نہ چھوٹا۔ دندان مبارک ایک دوسرے سے متصل اور درخشاں مثل لعل بدخشاں اور ریش مبارک گھنی دراز اور مربع تھی۔ رخسار مبارک پر بال نہ تھے۔ ہاتھ مبارک بڑے بڑے، انگلیاں باریک اور پاؤں لطیف تھے۔ غرض کہ آپ کی شکل مبارک ایسی محبوبانہ تھی کہ جو دیکھتا بے اختیار سبحان اللہ! "هذا ولی الله" کہتا۔

لباس: آپ کا لباس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مطابق ہوتا۔ ایک بڑا عمامہ سر پر۔ مسواک دستار کی کور میں۔ شملہ دونوں کندھوں کے بیچ تک اور قمیص کے گریبان کا شگاف دونوں کندھوں پر، پاجامہ شرعی ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا۔ ہاتھ میں عصا اور پیشانی پر سجدے کا نشان تھا۔

معمولات: حضرت مجدد ہمیشہ سرما و گرما، سفر و حضر میں بعد نصف شب بیدار ہوتے اور دعا مسنون پڑھتے۔ بعد ازاں بیت الخلاء تشریف لے جاتے ہوئے یہ دعا پڑھتے اللهم انی اعوذبك من الخبث والخبائث، بعد فراغت طاق ڈھیلے استعمال فرماتے۔ اس کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے اور بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت داہنا پاؤں باہر رکھتے۔ اس کے بعد قبلہ رو ہو کر وضو فرماتے لیکن بوقت وضو کسی سے مدد طلب نہ کرتے۔ آفتابہ (لوٹا) بائیں طرف رکھتے، ہاتھ دھو کر پہلے مسواک استعمال فرماتے پھر وضو فرماتے لیکن ہر کام میں عترت کی رعایت فرماتے۔ بعد فراغت مسواک اکثر خادم کے سپرد کر دیتے۔ وضو کرتے وقت دعائے مسنونہ پڑھتے۔ وضو کے بعد اعضائے مبارکہ کپڑے سے صاف نہ فرماتے۔

پوشاک لطیف ونفیس پہنتے اور بہ تحمل و وقار تمام متوجہ نماز ہوتے اور دو رکعت تحیۃ الوضو ادا فرماتے پھر باقی نماز کو بطوالِ قرأت (دو تین سپارے قرآن) ادا فرماتے۔ گاہ گاہ حالت غلبہ حضور میں نصف شب سے صبح تک ایک رکعت میں ہی وقت گزر جاتا اور جب خادم پکارتا کہ صبح ہوئی جاتی ہے تب دوسری رکعت بہ تخفیف ادا فرما کر سلام پھیرتے اور باقی رکعتیں ایک دوسری سے کم ادا فرماتے۔ اگر وتر اول شب میں پڑھ لئے ہوتے تو تہجد بارہ رکعت پوری فرماتے، کبھی آٹھ پر ہی اکتفا فرماتے۔

نماز تہجد میں اکثر اوقات سورۃ یٰسین تلاوت فرماتے، ارشاد فرمایا کرتے کہ اس کی قرأت میں نفع بسیار اور نتائج بے شمار حاصل ہوتے ہیں۔ ہر دوگانہ کے بعد مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ بعد از تہجد یک صد مرتبہ استغفر الله کبھی کبھی آیت کریمہ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله ستر مرتبہ بعدہ بمطابق سنت تھوڑی دیر نیند فرماتے اور طوال مفصل فرماتے۔ بعد ادائے فرض اسی جلسہ میں دس مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شریك له الملك وله الحمد یحی ویمیت بیده الخیر وهو علی كل شئی قدیر اور سات بار اللهم

اجرنی من النار اور دیگر اذکار میں مشغول ہو جاتے، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے۔

بعد ازاں مع اصحاب حلقہ ذکر فرماتے اور شغل باطنی میں بلندی آفتاب بقدر نیزہ تک مشغول رہتے۔ حلقہ میں حافظ سے قرآن بھی سنتے حلقہ سے فراغت کے بعد دو رکعت نماز اشراق پڑھتے، پھر دو رکعت بہ نیت استخارہ پڑھتے، پھر دعائے استخارہ اور دعائے ماثورہ بھی پڑھتے۔ خلوت میں قرآن مجید یا ختم کلمہ طیبہ فرماتے اور طالبان حق کو جدا جدا بلا کر ان کے احوال سے آگاہی فرماتے اور ان کے احوال کے موافق ارشاد فرماتے اور کیفیات وارادات سے آگاہ فرماتے۔ اکثر اصحاب آپ کے رعب وہیبت سے خاموش رہتے اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ دم مار سکے۔

بعدہٗ آٹھ رکعت نماز چاشت اور کبھی کبھی چار رکعت بھی پڑھتے پھر طعام تناول فرماتے۔ اکثر اوقات درویشوں میں لنگر خود تقسیم فرماتے۔ نوالہ تین انگلیوں میں پکڑتے۔ درویشوں کے ساتھ کھانے میں مشغول رہتے، حالانکہ دیکھنے والا محسوس کرتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے۔

کھانا کھانے کے بعد سنت نبوی ﷺ کے مطابق قیلولہ فرماتے اور جس وقت مؤذن نماز ظہر کی اللہ اکبر کہتا۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور اذان کے کلمے ساتھ ساتھ پڑھتے اور اذان ختم ہونے پر دعا فرماتے، پھر وضو فرما کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرماتے، پھر چار رکعت سنت زوال ادا کرتے۔ بعدہٗ چار رکعت سنت نماز ظہر پڑھتے۔ اقامت کے بعد خود امامت فرماتے، فرائض ظہر کی ادائیگی کے بعد دعا فرماتے اور دو رکعت سنت مؤکدہ کے بعد چار رکعت سنت مزید ادا کرتے۔

بعد از نماز ظہر دوستوں کے ساتھ مراقبہ فرماتے یا حافظ سے قرآن پاک کی تلاوت سنتے، پھر ایک دو سبق کا درس دیتے۔ دو مثل اور سایہ اصلی کے گزر جانے پر آپ مسجد میں تشریف لے جاتے۔ تجدید وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرماتے اور چار رکعت سنت ادا کرنے کے بعد وقت پر نماز عصر کی امامت فرماتے بعد از اذکار اصحاب کے حلقہ میں حافظ سے قرآن پاک سنتے اور اصحاب کی باطنی اصلاح وترقی کی طرف متوجہ ہوتے، پھر اول وقت میں نماز مغرب ادا فرماتے۔ سنتوں کی ادائیگی کے بعد چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ نوافل اوابین ادا فرماتے۔

عشاء کی نماز کے وقت مسجد میں آ کر تجدید وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرماتے پھر عشاء کی نماز با جماعت ادا فرماتے۔ وتر کبھی اول شب اور کبھی آخر شب پڑھتے، سوتے وقت تسبیحات و دیگر دعائے ماثورہ پڑھتے پڑھتے داہنی کروٹ سو جاتے کہ روئے مبارک قبلہ کی طرف اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے ہوتا۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔ عشرہ ذوالحجہ میں گوشہ نشینی میں روزہ رکھتے اور ذکر، اذکار، درود شریف میں مشغول رہتے۔ آپ افطار میں عجلت اور سحری میں آخر وقت کے لئے کوشش فرماتے۔ بعد از نماز جمعہ چار رکعت سنت آخر ظہر کی نیت سے ادا فرماتے تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ترغیب دلایا کرتے اور فرماتے کہ تمام عالم اس کلمہ معظم کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مثال ہے۔ یہ کلمہ جامع کمالات ولایت ونبوت ہے اور فرماتے فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمہ پڑھ کر بخش دیں اور بہشت بھیج دیں تو بھی اس میں گنجائش ہے اور نماز تراویح سفر وحضر میں ہمیشہ بیس رکعت ادا فرماتے اور ماہ رمضان المبارک میں تین ختم قرآن پاک سے زیادہ پڑھتے۔

قرآن کریم نماز کے اندر یا باہر اس طریقہ سے تلاوت فرماتے کہ گویا ان کے معنی ومطالب بیان فرما رہے ہیں اور سامعین کو ایسا معلوم ہوتا کہ اسرار قرآن پاک ان پر ظاہر ہو رہے ہیں اور جو لوگ آپ کے مرید نہ بھی ہوتے وہ بھی کہتے کہ حضرت مجدد اس طرح قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ہیں جیسے الفاظ دل سے نکل رہے ہوں اور سامعین میں سے اکثر پر غنودگی طاری ہو جاتی حالاں کہ آپ تلاوت عموماً کھڑے ہو کر کرتے لیکن غنودگی یا سستی کبھی نزدیک نہ پھٹکتی۔

تصرفات

شوق زیارت بیت اللہ: ایک دفعہ عرفہ کے دن فجر کی نماز کے بعد حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کو زیارت بیت اللہ شریف کا شوق غالب آیا۔ اس بے قراری اور اضطراب میں دیکھا کہ تمام عالم جن وانس نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ آپ کی جانب کرتے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ نہایت حیران ہوئے اور متوجہ کشف واسرار ہوئے تو بتایا گیا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہے اور بیت اللہ شریف نے آپ کا احاطہ کر لیا ہے اس لئے جو بھی کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ آپ کی طرف ساجد معلوم ہوتا ہے۔

اسی اثناء میں ندائے غیب آئی کہ تو ہمیشہ زیارت بیت اللہ شریف کا مشتاق رہتا تھا اس لئے ہم نے کعبہ معظمہ کو تیری زیارت کے واسطے بھیجا ہے۔

لوح محفوظ پیش نظر: عبدالرحیم خان خاناں صوبہ دار دکن بوجہ غمازی مورد عتاب سلطانی ہو کر شاہی دربار طلب ہوا۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جان

کا خطرہ لاحق ہوا۔ اس پریشانی میں اس نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جلیل القدر خلیفہ محمد نعمان رحمۃ اللہ سے مدد طلب کی۔ حضرت میر نے خانِ خاناں کی سفارش لکھ کر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت شیخؒ نے عریضہ ملاحظہ فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ "دروقت مطالعہ کتابت خانِ خاناں درنظر رفیع القدر درآمد خاطر شریف از مطالعہ او جمع شد"۔ میر محمد نعمان نے وہ خط بجنسہٖ خان خاناں کے پاس بھیج دیا۔ اس کے چند روز بعد ہی بادشاہ نے خانِ خاناں سے راضی ہو کر خلعت خاص عطا کی اور صوبہ داری پر بحال کر دیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ خواجہ طاہر بندگی لاہوری قدس سرہ کے ساتھ پیش آیا جن کی قضائے مبرم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ٹال دی۔ خواجہ طاہر بندگی کے حالات میں یہ واقعہ درج کیا گیا ہے۔

مکتوبات شریف کا مقام: ایک سید صاحب کا بیان ہے کہ جن اصحاب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لڑائی کی ان میں سے بالخصوص حضرت امیر معاویہ ؓ سے نفرت اور بدظنی تھی کہ ایک روز میں مکتوبات شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں لکھا تھا امام مالک ؓ شیخین کی شتم کرنے والے پر جو حد لگاتے تھے وہی حضرت معاویہ ؓ پر شتم کرنے والے پر لگاتے تھے۔

میں نے یہ دیکھ کر غصہ کی حالت میں کہا کہ حضرت مجدد نے یہ کیسی بے خبری کی بات نقل کی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے مکتوبات شریف کو زمین پر پھینک دیا۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ مجدد قدس سرہ غصہ کی حالت میں آئے اور میرے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے۔ اس کو زمین پر پھینکتا ہے اگر تو میرے قول کو معتبر نہیں سمجھتا تو تجھے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلوں جن کی خاطر تو ان کے بھائیوں، صحابہ کرام کو برا بھلا کہتا ہے اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مجھے پکڑ کر ایک باغ میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں نہایت نورانی شکل والے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت مجدد اس بزرگ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور عرض کی۔

پھر مجھے نزدیک بلایا اور فرمایا: "یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، سنو کیا فرماتے ہیں"۔

میں نے سلام عرض کی تو حضرت امیر نے فرمایا:

"خبردار! حضرت پیغمبر ﷺ کے اصحاب سے دل میں کدورت نہ رکھو اور ان کی ملامت زبان پر نہ لاؤ! ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بھائی کے ساتھ ہمارا جھگڑا ہوا۔ ان کی نیتیں پاک تھیں"، پھر حضرت شیخؒ کا نام لے کر فرمایا کہ ان سے ہرگز سر نہ پھیرنا۔

اس نصیحت کے باوجود جب میں نے اپنے دل کی طرف رجوع کیا تو دل میں اصحاب کی دشمنی بدستور موجود تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ جان کر سخت ناراض ہوئے اور حضرت مجدد قدس سرہ سے فرمایا کہ اس کا دل ابھی صاف نہیں ہوا اور تھپڑ مارنے کا اشارہ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے پوری قوت سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا اس وقت میرا دل کدورت سے پاک ہو گیا اور حضرت مجدد قدس سرہ کے کلام پر میرا اعتقاد کئی سو گنا زیادہ ہو گیا۔

عمر مبارک: ایک روز خاص احباب سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ میری عمر تریسٹھ سال ہے۔ شب برات ماہ شعبان ۱۰۳۳ھ کو شب بیداری کی مخدوم زادوں کی زبان عظمت پناہ سے نکلا کہ آج تقدیر و تقسیم رزق کی رات ہے۔ خدا جانے آج کس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے۔

یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ تو بطور شک و تردد فرما رہے ہیں لیکن اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور اشارہ اپنی طرف فرمایا۔ اس کے تقریباً ساڑھے چھ ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے خوارق و تصرفات بڑے اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں کیونکہ کثرتِ خوارق سے کسی ولی کی شان نہیں بڑھتی اور نہ ہی قلت سے کسرِ شان ہوتی ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطائیں ہیں۔ کبھی اولیاء اللہ میں سے ایک گروہ کو ان خوارق کا مکاشفہ کرایا جاتا ہے اور اسے عطا کی جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان سب لوگوں کے اوپر وہ شخص ہوتا ہے جس سے ان میں سے کوئی بات بھی ظاہر نہ ہوئی ہو"۔

مزید فرمایا، کثرتِ ظہور خوارق کو افضلیت کی دلیل بنانا بالکل ایسے ہے جس طرح کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کثرتِ فضائل و مناقب کو حضرت صدیق اکبر ؓ پر افضلیت کی وجہ بنائے کیونکہ جس قدر فضائل و مناقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ سے نہیں ہوئے (مکتوبات ۲۹۳ دفتر اول)۔

مجدد الف ثانی: صاحب حضرات القدس شیخ بدر الدین سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"ہزار سال ببایست تا ایں چنیں گوہرے بوجود آید

ہزار سال بباید کہ تا بباغ یقیں

زشاخ ہمت چوں تو گلے بہار آید
بہر قرآن و بہر قرن چوں توے نبود
بروزگار چوں تو کسے بروزگار نہ آید

مجدد اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تجدید کرنے والا یا پرانے کو نیا کرنے والا۔ حدیث شریف میں تجدد کا بیان اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا''۔ ''اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں کسی کو مبعوث فرمائے گا تا کہ وہ امت کے واسطے ان کے دین کی تجدید کرے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کے بیان میں ابن عباس کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں لوگ کسی بدعت کو رائج اور کسی سنت کو ضائع نہ کریں یہاں تک کہ سنتیں ختم اور بدعتیں رائج ہو جائیں گی۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث قدسی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اس علم کو (جو قرآن اور حدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اسلاف (جانشینوں) سے حاصل کردہ غلو کرنے والوں کی تحریفات باطل پرستوں کے غلط دعاوی اور جاہلوں کی تاویلات کا انتقا کریں گے (رواہ بیہقی فی کتاب مدخل مرسلاً)

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کے کرنے کا ذکر ہے:

۱۔ غلو کرنے والوں کی تحریفات کا
۲۔ باطلوں کے غلط دعاوی کا
۳۔ جاہلوں کی تاویلات کا

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ عزیزی کے صفحہ نمبر ۲۴۲ پر لکھتے ہیں:

''اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل کے مبتدعین شرک جلی و خفی کے معتقدین کے شبہات بالکل دور ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کی پیروی کرنے والے سنت مطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے آپ کو بچانے میں پیش قدم ہیں''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ نے امام بیہقی کی روایات کردہ حدیث کے مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ اس پر عامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حدیث کا اتم مصداق بنایا ہے اور اکابر علماء نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے۔ خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے۔ علامہ روزگار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سب سے پہلے آپ کے لئے مجدد الف ثانی کا خطاب آپ کے لئے تجویز فرمایا: خود فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی جگہ دی ہے۔ ہر صدی کے شروع میں کسی عالم کا انتخاب ہوتا ہے تا کہ وہ دین حق کی تجدید کرے اور شریعت میں جان ڈالے (یعنی اس میں قوت آئے اور اس کے احکام نافذ ہوں) پہلی امتوں میں ایک ہزار سال گزارنے کے بعد اولوالعزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی۔ اس امت میں چونکہ کوئی نبی نہیں ہوگا اس لئے امت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت تامہ رکھتا ہو (شریعت کے احکام سے طریقت کے اسرار اور حقائق کے رموز سے پوری طرح باخبر ہو)

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا می کرد

یعنی اگر مولیٰ جل شانہ کا لطف و کرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحا نے کیا ہے وہ بھی کر دکھائیں''۔

حدیث صلہ: علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ کی کتاب جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل ہے۔ ''میری امت میں ایک شخص ہوگا اس کو صلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے آدمی جنت میں داخل ہوں گے''۔

اس حدیث شریف کو محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں بھی معمولی لفظی تغیر سے روایت کیا ہے۔ سرشار بادہ احمدی خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ایک مرتبہ حضرت مجدد قدس سرہ کو سرورِ دو عالم ﷺ سے بشارت ملی کہ تمہاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے، اس بشارت کے ملنے پر آپ نے کھانا پکا کر لوگوں کو کھلایا اور اس بشارت کا بیان فرمایا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں: ''میں اپنی پیدائش کا مقصد جو سمجھتا ہوں وہ پورا ہو گیا اور ایک ہزار سالہ تجدید کی طلب مقرون اجابت ہوئی حمد اللہ تعالیٰ کے لئے

ہے کہ اس نے مجھے دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو جماعتوں میں اصطلاح کرنے والا بنایا"۔

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے رسالہ "در دفعہ اعتراضات" کے آخر میں فرماتے ہیں: یہ بات مثل آفتاب کے روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجدد نے خوب کیا ہے بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، قندھار، کابل، غزنی، تاشقند، یارقند، شہر سبز حصار اہل اسلام کے گڑھ ہیں۔ وہاں نہ ہنود ہیں نہ نصاریٰ نہ روافض، ان مقامات میں صرف آپ کا ہی طریقہ رائج ہے۔ شائد ہی کسی دوسرے طریقے سے کوئی وابستہ ہو اور یہ بات بھی خوب ظاہر ہے کہ ملحدوں، رافضیوں، خالی توحیدیوں اور اہل طریق کے بدعتیوں اور شرک خفی وجلی کے معتقدوں کے تمام شبہات آپ کی مبارک ذات کی برکت سے بالکل دور ہو گئے اور آپ کے متبعین اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتباع سنت میں سرگرم اور اجتناب از بدعت میں پیش قدم ہیں۔ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھ کو اس حکیم نے نائب بنا کر بھیجا اور وہ لوگوں کا علاج کرے اور لوگوں کو فائدہ ہو۔ (پھر شاہ عبدالعزیز نے فوق الذکر حدیث صلہ نقل کی ہے)۔

آپ کی اس تحریر پر اور آپ کے مبشر ہونے پر حدیث صلہ پوری طرح صادق آ رہی ہے۔ ہزار سال کے دور میں مجدد کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپ کے اس استنباط کی تائید نقلیات اور کشفیات سے بھی ہو رہی ہے۔ حضرت مجدد نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے اور شکر قبول کرنے والا وہی ہے۔ وہ فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم "(اگر شکر ادا کرو گے تو زیادہ دوں گا تم کو) اور وعدہ الٰہی بموجب آپ کی دعا جو شکر الٰہی ہے مقبول ہے۔

از قبول کساں دیگر کارے نیست

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر ختم کر کے اشارہ کیا ہے کہ اہل فضل واصحاب کمال حضرت مجدد قدس سرہ کے مداح ہیں۔ جاہل اور گم کردہ راہ جو چاہیں کہیں۔

شواھد تجدید

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تجدید دین اسلام اور احیائے سنت رسول ﷺ کے کارنامے اس قدر عظیم ہیں کہ یہ صفحات اس کے بیان کے متحمل نہیں ہو سکتے پھر بھی ان کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ اکبری الحاد کا استیصال: تاریخ عالم میں فرعون مصر کے بعد شاید ہی کوئی ایسا حکمران گزرا ہو گا جس نے اپنے کو سجدہ کرایا ہو لیکن اکبر بادشاہ جو بظاہر ایک مسلمان حکمران تھا، اس کا کردار بے دینوں سے بھی بدترین تھا کہ دربار شاہی میں حاضری کے وقت اپنے آپ کو سجدہ کراتا تھا۔ فرعون کے بعد شاید یہ پہلا بادشاہ تھا جو خود کو سجدہ کراتا تھا اور دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب رائج کر لیا تھا۔ اس لئے ہندو اور عیسائی مورخوں نے اکبر کو "اکبر اعظم" اور "مغل اعظم" مشہور کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر دی۔ اسلام میں چونکہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے کی سخت تاکید کی ہے اس ناچیز کے خیال کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو ہندوستان میں مبعوث فرمانے کی یہی مشیت ایزدی تھی کہ آدمی کو سجدہ کرنے کے شرک کا قلع قمع کیا جا سکے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے امراء وارکین سلطنت کو وقتاً فوقتاً مکاتیب ارسال کر کے اسلام کی زبوں حالی کا بیان اس انداز سے کیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کا درد پیدا ہوا۔ ان میں خان خاناں، فرید بخاری، سید صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم، مہابت خاں، اسلام خاں، سکندر خاں، دریا خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پھر جب حضرت مجدد قدس سرہ میدان میں آ گئے تو شہنشاہ جہانگیر اپنی عظیم الشان دنیاوی طاقت وعظمت، جاہ وجلال، کبر ونخوت کے باوجود ایک مرد درویش حضرت مجدد قدس سرہ کو جھکانے میں ناکام رہا اور اس دنیا کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکنے والی گردن کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے مقابلے میں ہر طاغوتی طاقت خس وخاشاک کی طرح تہس نہس ہو جائے گی۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنی حق آگاہی اور خود شناسی کی بدولت ایک عظیم مملکت کے سربراہ کے دل کو اپنے اخلاق و اخلاص سے پھیر دیا اور پھر وہی فسق وفجور میں مست شرابی بادشاہ جہانگیر نے عدل جہانگیری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو آج تک یادگار ہے اور اس کی اولاد میں شاہجہاں اور اورنگزیب عالمگیر جیسی عظیم ہستیاں وجود میں آئیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دئے کہ وہ تاریخ اسلام میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ذالک فضل من اللہ

جارحانہ ہندو احیائیت: اکبر بادشاہ کی بے راہروی کی وجہ سے ہندوؤں کی جرأت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہندو بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر اپنے مندر تعمیر کر رہے تھے۔ تھانیسر کے علاقہ میں ایک مسجد اور بزرگ کا مقبرہ گرا کر اس جگہ مندر بنوایا تھا۔

متھرا میں ایک برہمن نے مسجد کی اینٹ پتھر کو مندر کی تعمیر میں استعمال کیا۔ مسلمانوں کی مزاحمت پر اس نے رسول کریم ﷺ کی شان میں

گستاخی کی، لیکن عجیب واقعہ یہ ہوا کہ اس برہمن کو سزائے قتل دینے پر اکبر کے دربار میں بڑا ہنگامہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ہندوؤں کے معاملے میں سختی اور شدت کا اظہار کرتے تھے۔

تاریخ کا فیصلہ: شیخ محمد اکرام اپنی تصنیف ''رودِ کوثر'' میں رقم طراز ہیں:

ہندوؤں کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے بسا اوقات بڑی تلخی اور غیض و غضب کا اظہار کیا ہے۔ بہر کیف ان کا اندازِ فکر اور اسلوبِ اظہار ان صوفیاء سے بالکل مختلف ہے جنہیں ہندو احیاءیت کا سامنا نہ کرنا پڑا لیکن ہندو مسلم اختلافات کے متعلق تاریخ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نقطہ نظر کی تائید کی اور ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

انگریزی عہد میں اختلافات اور بڑھ گئے اور برصغیر کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کرنا پڑا۔ شاید ان ملکوں کے راہنما اور بیرونی خیر خواہ بھی سرہند کے ''مردِ آخر بیں'' کی رائے تسلیم کر لیں کہ ان دونوں کے درمیان امن و سلامتی کا راستہ اتحاد نہیں بلکہ ہمسایانہ رواداری ہے۔

۲۔ ملحدین صوفیا: یہ وہ لوگ تھے جو حضرات مشائخ کرام کے اقوال کی غلط اور گمراہ تاویلات و تشریحات کر کے عوام کو گمراہ کر رہے تھے اور اپنی دوکان سجانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی اور عوام الناس کو بتا دیا کہ ان کی اندرونی حالت کیا ہے اور ان کی تشریحات کی قباحتوں کو واضح فرما دیا۔

۳۔ بے باک علماء: بے باک علماء اور جاہل صوفیا کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے باور کرایا کہ شریعت کی متابعت کے بغیر تم کچھ بھی نہیں ہو کیونکہ قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ نہ کہ طریقت کے متعلق کیونکہ شریعت کا ثبوت وحی سے ہے جو قطعی اور یقینی ہے اور طریقت کا ثبوت الہام سے ہوا ہے جو کہ ظنی ہے۔ اس قطعی کے مقابل ظنی کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے فرمایا: مشائخ کی روحانیات اور ان کی امدادات پر ہرگز مغرور نہ ہو، پھر فرمایا: تمام مشائخ کے اقوال و اعمال کو سردارِ دوجہاں ﷺ کے اقوال و اعمال پر جانچو۔

۴۔ شریعت، طریقت اور حقیقت: حکیم مطلق نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو حکمت و بصیرت تامہ عطا فرمائی اور آپ پر پوری طرح منکشف ہوا کہ کچھ بے سمجھ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، طریقت و حقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ طریقت کے نام پر عوام کو گمراہ کر کے باطنیوں کے مسلک کو رواج دے رہے ہیں۔ آپ نے ان سب مفاسد اور افترا کا ایسا سدِ باب فرمایا کہ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔

۵۔ وحدت وجود، وحدت شہود: شیخ اکبر علیہ الرحمہ کے نزدیک تمام کائنات کی اصل اور حقیقت علم الٰہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان، جن، فرشتے، حیوان، زمین، ستارے، عرش کرسی، لوح و قلم، جنت، دوزخ غرض ہر شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ موجود ہے اور جس شے کے متعلق جو کچھ علم الٰہی میں ہے وہی اس شے کی حقیقت اور اس کی اصل ہے۔ جب تک علم الٰہی کا ظہور نہیں ہوا ساری حقیقتیں عالم غیب میں مستور ہیں اور جب علم الٰہی کا ظہور ہوا حقیقتیں بھی ظاہر ہو گئیں۔ شیخ اکبر علیہ الرحمہ ان ظاہر حقیقتوں کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اعیان ثابتہ کے ظہور کا وقت آیا تو ان کا عکس ظاہر ہوا وہی عکس ان کا وجود ہے۔ چونکہ یہ عکس بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاریگری ہے اس لئے اس کے واسطے پائیداری ثابت ہے، یعنی خارجی شے شیخ اکبر کے نزدیک کچھ نہیں۔

اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے نزدیک کائنات کی حقائق اجزائے عدمیہ ہیں جو خالی ہیں ان پر اصداد الٰہیہ کا پرتو اور ظل پڑا۔ آپ کے نزدیک ظل عین اصل نہیں لہٰذا افتراق ثابت ہو گیا، یعنی حضرت مجدد کے قول سے اتحاد کی جڑ اور اساس سرے سے نکل جاتی ہے اور وحدت وجود کا نظریہ قائم نہیں رہتا۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ سالک جب فنائیت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو بجز محبوب کے کچھ نظر نہیں آتا حتیٰ کہ وہ اپنا وجود بھی نہیں دیکھتا۔ لہٰذا اس کی زبان سے اتحاد کا قول نکلتا ہے کوئی انا الحق، کوئی سبحانی کہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اگر اس مقام اور کیفیت کی حالت میں سالک کی عالم میں مراجعت ہوتی ہے تو عالم کے ہر ذرہ میں اس کو جمال محبوب نظر آتا ہے اور وہ کہتا ہے۔

دیدہ بکشا و جمال یار بیں
ہر طرف ہر جا رخ دل دار بیں

آپ فرماتے ہیں یہ مقام ولایت ہے اور اس سے بالاتر مقام ارشاد ہے جس کا تعلق نبوت کے مقام سے ہے ابھی سالک کو اس شاہراہ پر پہنچنا ہے وہاں اس کی زبان سے نکلتا ہے۔

''سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین'' (سورۃ اعراف: ۱۴۳)

''میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا''۔

یہ مقام عبدیت ہے اور بالاصالت اس کا تعلق سردار کل کائنات سیدنا محمد علیہ افضل الصلوات و اکمل والتحیات سے ہے۔

ایک نکتہ: مومن کی معراج نماز ہے اور نماز کا آخر قعدہ ہے اور قعدہ میں اس مبارک مکالمہ کو رکھا گیا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے معراج میں مکالمہ کی ابتدا کی ہے اور اس کا سرّ زیر اقدام آنحضرت ﷺ اور اس بات کا اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی انتہا وصول بہ حضرت رسول اکرم ﷺ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی معراج کی انتہا بارگاہ رب العلاء ہے، لہٰذا تشہد کے بعد نمازی درود شریف پڑھتے۔

جس مقام کو شیخ اکبر حقیقت محمدی کہہ کر درجہ وجوب ثابت کرتے ہیں حضرت مجدد قدس سرہ کے نزدیک وہی مقام عبدیت ہے اس کو واجب تعالیٰ وتقدس سے کوئی اشتراک نہیں اس کو نسبت عبدیت ہے وہ عبد ہے اور واجب تعالیٰ معبود جس کی تحقیق ہو اس کے لئے وجوب کیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك"۔

"اے اللہ تو میرا پالنے والا ہے تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں"۔ (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ۸۸،۹۰)

حضرت مجدد کی تالیفات: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تالیفات کی ابتداء رسائل سے ہوئی اور انتہا مکتوبات شریف پر ہوئی۔ آپ کے سات رسائل مشہور ہیں:

۱: **رسالہ تہلیلیہ:** اس کو رسالہ تحقیق در کلمہ طیبہ بھی کہتے ہیں یہ بارہ صفحے کا رسالہ آپ کی پہلی تالیف ہے۔

۲: **رسالہ اثبات نبوت:** اس کو رسالہ تحقیق نبوت بھی کہتے ہیں۔

۳: **رسالہ رد شیعہ:** اس کو رسالہ رد روافض بھی کہتے ہیں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ رسالہ شیعہ حضرات کے ایک رسالہ کے جواب میں لکھا تھا۔ اس میں شیعوں کے ۱۴ طائفوں کا بیان ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے رسالہ رد روافض کا عربی ترجمہ کیا ہے۔ شروع میں عہد اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے اور احسانات تفصیل سے گنائے ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے۔

۴۔ **رسالہ معارف لدنیہ**

۵۔ **رسالہ شرح الشرح:** بعض رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ۔

۶۔ **رسالہ مبدا و معاد**

۷۔ **رسالہ مکاشفات عینیہ**

اول الذکر دو رسالے اور ۲ عربی میں باقی ۳ تا ۷ فارسی میں ہیں۔

مکتوبات شریف: آپ کے مکتوبات شریف کے تین دفتر یعنی حصے ہیں:

پہلے حصہ کو خواجہ یار محمد الجدید بدخشی طالقانی نے جمع کیا ہے۔ جب ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات کی تعداد تین سو تیرہ ہو گئی جو کہ انبیاء ومرسل اور اصحاب بدر کی تعداد ہے تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے پر اس دفتر کو بند کر دیا گیا اس کا تاریخی نام "در المعرفت" ہے۔

دوسرے دفتر کو خواجہ عبدالحیٔ حصاری نے جمع کیا ہے۔ اس دفتر کو ننانوے مکتوبات پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۸ھ میں بند کرا دیا۔ آپ نے فرمایا: اسمائے حسنہ بھی ننانوے ہیں۔ اس دفتر کا تاریخی نام "نور الخلائق" ہے۔

تیسرے دفتر کو جمع کرنے کی ابتداء میر محمد نعمان نے کی تھی۔ تیس مکاتیب کے بعد یہ خدمت ان کے مرید سرمست جام احمدی خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی۔ جب مکاتیب کی تعداد ایک سو چودہ کو پہنچی تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قرآن مجید کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں لہٰذا اس عدد پر دفتر کو بند کر دو۔ اس دفتر کا نام "بحر المعرفت" رکھا گیا یہ واقعہ ۱۰۳۳ھ کا ہے۔ اس کے چند ماہ بعد تک حضرت مجدد قدس سرہ بقید حیات رہے اور مزید دس مکتوب آپ نے تحریر فرمائے اور آپ کی وفات کے بعد ان کو اسی دفتر میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح اس تیسرے دفتر میں ایک سو چوبیس مکتوب ہو گئے اور آپ کے کل مکتوبات کی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔

یہ ہے آپ کا اثاثہ مبارک! جو اہل اسلام کے لئے سرمایہ سعادت و نور ہدایت بنا ہوا ہے اور ہزاروں بندگان خدا اس کی بدولت مراتب عالیہ کو پہنچ چکے ہیں۔ صدہا مشائخ عظام اور علماء کرام کے مکاتیب کو ان کے شاگردوں اور مخلصوں نے جمع کیا ہے لیکن جو قبولیت آپ کے مکتوبات شریف کو حاصل ہوئی وہ کسی کے مکتوبات کو نہ ہوئی۔ صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث مبارکہ "پھر اہل زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے" کی روشنی میں آپ کے مکتوبات شریف کی مقبولیت دیکھ کر آپ کی محبوبیت کا اندازہ کیا جائے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

''مکتوبات امام ربانی قدس سرہ برکوچک پاک وہند میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں بھی یہ مکتوبات مقبولیت کے جس درجہ پر پہنچے اوران کی جس قدر شہرت ہوئی وہ دوسرے مکتوبات کے حصہ میں نہ آسکی۔ امام ربانی قدس سرہ کی حیات مبارکہ سے تا ایندم تقریباً چارسو سال میں ان کی مقبولیت میں سر مو فرق نہیں آیا بلکہ روز افزوں ہے جو نتیجہ ہے اس کا کہ

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

''ہندوستان میں تصوف کی تھوڑی کتابوں کو وہ قدر و منزلت میسر آئی ہے جو مکتوبات امام ربانی قدس سرہ کو نصیب ہے۔ حضرت سرہندی قدس سرہ کی زندگی میں ہی ان کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

حد تو یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں، تصوف اسلام میں سب سے زیادہ اثر میرے اوپر دو کتابوں کا پڑا ہے، اول مثنوی جس نے مجھے دہریت والحاد سے کھینچ کر مجھے اسلام کی راہ دکھائی۔ اس اجمال کے بعد ضرورت تفصیل کی تھی یعنی اسلام کے اندر عقائد واعمال میں متعین راہ کونسی اختیار کی جائے اس باب میں شمع ہدایت کا کام مکتوبات امام ربانی قدس سرہ نے دیا۔

سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ مجددیہ کے نام سے عراق، شام، عرب اور ترکی ممالک میں زیادہ مقبول ہوئی۔ ان ممالک میں آپ کے مکاتیب براہ راست فارسی زبان میں کثرت سے پڑھے جاتے ہیں، حال ہی میں ایک مجموعہ منتخبات مکتوبات شریفہ مطبوعہ ترکی مؤلف کی نظر سے گزرا جس میں علمائے ترکی کی ایک مقتدر ہستی آرواسی زادہ حضرت عبدالحکیم ابن مصطفےٰ النقشبندی المجددی الخالدی از علماء وسادات ترکیہ نے فرمایا:

1. بعد کتاب اللہ وبعد کتب ستہ افضل کتب مکتوبات است
2. مانند مکتوبات امام ربانی ہیچ کتاب چاپ نہ شدہ است

ہر لطافت کہ نہاں بود پس پردہ غیب
ہمہ در صورت خوں تو عیاں ساختہ اند
ہر چہ بر صفحہ اندیشہ کشد کلک خیال
شکل مطبوع تو زیبا تر از آں ساختہ اند

آئینہ جہاں نما

حضرت مجدد قدس سرہ کی اولاد امجاد: حضرت مجدد قدس سرہ اور آپ کی اولاد کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''فقرائے باب اللہ اند دلہائے عجب دارند زیادہ جرأت است'' ۔ (یہ لوگ اللہ کے در کے فقراء ہیں عجیب وغریب دل رکھتے ہیں زیادہ لکھنا جرأت ہے) یہ حضرات اپنی پاک باطنی اور صاحب دلی کی وجہ سے آئینہ ہائے جہاں نما بن گئے ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہ کی اولاد کی تعداد دس ہے سات صاحبزادگان اور تین صاحبزادیاں۔

صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱: خواجہ محمد صادق

۲: خواجہ محمد سعید

۳: خواجہ محمد معصوم

۴: خواجہ محمد فرخ

۵: خواجہ محمد عیسیٰ

۶: خواجہ محمد اشرف

۷: خواجہ محمد یحییٰ

تین صاحبزادیوں کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ رقیہ: شیرخوارگی میں وفات پا گئیں۔

۲۔ ام کلثوم: چودہ برس کی عمر میں وفات پا گئیں۔

۳۔ خدیجہ زماں: سلوک باطنی والد بزرگوار سے حاصل کیا حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو ولایت و کمالات کے انتہائی درجہ کے حصول کی بشارت دی تھی۔

☆☆☆

عہد جدید میں مطالعہ سیرت النبی ﷺ کی اہمیت

(حصہ دوم)

پروفیسر سید عبدالرحمن بخاری

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کس زاویہ نگاہ سے کیا جائے؟

ا۔ ہم کو تو پتھروں سے بھی رعنائیاں ملیں

ا۔ یہ زاویہ نگاہ کیا چیز ہے؟.... سوچنے کا انداز... آیئے ذرا چند مثالوں سے سمجھیں: کئی افراد ایک جگہ اکٹھے تھے، ایک اجنبی پاس سے گزرا، کوئی اسے جانتا نہ تھا، سب نے اسے دیکھا مگر ایک سرسری نگاہ سے۔ کسی کو وہ مغرور لگا اور کسی کو متواضع، کسی کو نرم خو محسوس ہوا اور کسی کو سخت دل، کسی کو مفلس دکھا اور کسی کو خوشحال، کسی نے عالم جانا اور کسی نے ان پڑھ، کسی نے جفاکش سمجھا اور کسی نے کاہل، کسی نے تندرست کہا اور کسی نے مریض، کسی نے نیک گردانا اور کسی نے بدکار۔ یہ کیا؟ ایک اجنبی اور اتنے متضاد تبصرے۔ سب فرضی اور خیالی۔ جی ہاں۔ سب نے اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا، اور الگ الگ انداز سے سوچا۔ ہر ایک نے اپنی سوچ اور طبیعت کے آیئنے میں اس کا عکس تراشا۔ وہی پرانی بات کہ ادھ بھرے گلاس کو دیکھ کر ایک کہے: آدھا خالی ہے، اور دوسرا کہے: آدھا بھرا ہوا۔ یہ اپنی اپنی سوچ کا انداز ہے۔ دو بچے قید خانے کی بند کوٹھڑی میں جوان ہوئے۔ اک رات اچانک کھڑکی کھلی اور دونوں نے باہر جھانکا۔ بارش سے بھیگی زمین چاند کی کرنوں میں چمک رہی تھی۔ ایک نے کہا: کھڑکی سے باہر کیچڑ ہی کیچڑ ہے۔ دوسرا بولا: باہر تو ہر سو اُجالا ہے۔ یہ فرق ہے سارا زاویہ نگاہ کا۔

ان کو ملے ہیں قریۂ مہتاب میں گڑھے
ہم کو تو پتھروں میں بھی رعنائیاں ملیں

زاویہ نگاہ کا اختلاف یہی چیز ہے۔ خدا نے کائنات میں تنوع اور بوقلمونی بھری ہے۔ روشنی کی ہر کرن میں سات رنگ بھرے ہیں۔ ایک ہی چیز مختلف دیکھنے والوں کو الگ الگ نظر آتی ہے۔ صحرا میں چمکتی ریت کسی کو دور سے پانی لگے اور کسی کو آفتاب کی کرنوں کا رقص۔ آئنسٹائن کی Theory of Relativity نے تو کائنات کی حقیقت ہی دیکھنے والے کے فریم آف ریفرنس (Frame of Reference) سے جوڑ دی ہے۔ سکون اور حرکت، رفتار اور سمت مشاہد (Observer) کے مقام اور حالت کے تابع ہیں۔ جو شخص چلتی ریل میں بیٹھا ہے اس کے لئے ریل ساکن اور زمین متحرک ہے؛ اور جو باہر کھڑا ہے اس کے لئے زمین ساکن اور ریل متحرک۔ کچھ یہی حال زاویہ نگاہ کا ہے۔ مندر میں سجی مورتیاں کافر کو خدا لگتی ہیں؛ جبکہ مومن کو بس تراشے ہوئے پتھر۔ ملحد کو پوری کائنات بس علت اور معلول کا چکر دکھائی دیتی ہے؛ اور موحد کو اس کے ذرے ذرے میں خدا کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ہندو کے لئے گائے مقدس ماتا ہے۔ اور دوسروں کے ہاں بس ایک خوردنی جنس۔

دو آدمی پھولوں سے بھرے ایک باغ میں اترے۔ ایک کے چشم تصور میں دلہن کا ہار چمکا اور شہنائیاں گونجنے لگیں۔ دوسرے کے پردۂ خیال پر جنازے کا عکس اُبھرا اور غم کی لہریں تن بدن میں دوڑ گئیں۔ کپڑے کی ایک دکان میں دونوں نے قدم رکھا۔ ہر طرف سفید تھان سجے دیکھے۔ ایک نے سوچا یہاں حج کے احرام ملتے ہیں مگر دوسرا بولا یہاں کفن بکتے ہیں۔ دکاندار نے کہا تو بس اتنا کہ

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اسی تار سے بنتے ہیں کفن بھی

۲۔ یہ احساس کا انداز ہی ہے جو انسان کی زندگی بگاڑتا یا سنوارتا ہے۔ منفی سوچ بگاڑ ہے اور مثبت سوچ نکھار۔ انسانی وجود کا سب سے طاقتور عنصر اس کا زاویہ نگاہ ہے۔ ہر انسان اپنے زاویہ نگاہ کے حصار میں جیتا ہے۔ یہی وہ منبع ہے جس سے زندگی کے مختلف دھارے پھوٹتے ہیں۔ کچھ لوگ عناصر فطرت کی پوجا کرتے ہیں اور کچھ ان پر تحقیق۔ یہ زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔ کچھ لوگ مذہب کو افیون ٹھہراتے ہیں اور دوسرے اپنے لئے نجات کا سامان۔ کچھ لوگ آخرت کو حقیقی زندگی سمجھتے ہیں اور کچھ بس یہی کہ

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ایک کے ہاں بس جسم ہی سب کچھ ہے اور دوسرے کی نظر میں روح اصل ہے، اس کا سنورنا زیادہ ضروری ہے۔ ایک کے لئے خوشبو الرجی ہے اور دوسرے کے لئے شفا۔ ایک خود غرضی کا پیکر ہے اور دوسرا ہمدردی کا مرقع۔ ایک کے لئے بیٹی نعمت ہے اور دوسرے کے لئے بوجھ۔ ایک پرائی عورت کو بھی اپنی بہن کی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسرا سگی بہن کو بھی ہوس کی نگاہ سے۔ ایک غربت میں بھی خوش رہتا ہے اور دوسرا خوشحالی میں بھی پریشان۔ یہ سب کیا ہے؟ سوچ کا الگ الگ انداز ہی تو ہے۔

۲۔ طرز احساس کے بدلنے سے جیون رُت بدلتی ہے

انسانی دنیا کی یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ ہر انسان اپنے اپنے بنائے ہوئے ایک فکری، عملی سانچے میں زندگی گزارتا ہے۔ اُس نے خود ہی اپنے لئے ایک طریقہ بنالیا ہوتا ہے۔ اُس کی سوچ، اُس کے نظریات، اُس کے جذبات، اُس کے احساسات، اُس کے رویے، اُس کے

معاملات اُسی خاص شکل میں ڈھل جاتے ہیں جس سانچے کو اُس نے اختیار کر لیا ہوتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی دین، جتنی بھی شریعتیں، ہدایت کے جتنے بھی نظام آئے، ہر ایک کا اپنا اپنا ایک سانچہ ہے۔

سانچے کی اہمیت اتنی ہے کہ بسا اوقات زندگی کی ساری جدوجہد ایک طرف ہو جاتی ہے اور یہ سانچہ جیت جاتا ہے۔ جس سانچے میں آپ جی رہے ہیں اُسی سانچے میں آپ اپنے سارے اعمال کر رہے ہیں۔ ایک ہی صف میں آس پاس بیٹھے ہوئے دو شخصوں کے دل الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک کا سانچہ محبت رسول ﷺ کے خمیر میں گندھا ہوا جبکہ دوسرے کا سانچہ گستاخی رسول کی طرز پر ڈھلا ہوا ہے۔ ایک وہ ہے جس پر دولت برستی ہے اور وہ قناعت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے جبکہ دوسرا وہ ہے جس سے دولت دور بھاگتی ہے اور وہ پیچھے دوڑ رہا ہے۔ ایک وہ ہے جو نواسہ رسول ﷺ پہ تیروں کی بوچھاڑ کر رہا ہے اور دوسرا وہ ہے کہ چودہ سو سال کے بعد آج بھی جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (اسراء:۸۴)

”آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی فطرت کے مطابق“

اصل میں ہدایت کا سفر شروع ہی یہاں سے ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اُس سانچے کو پرکھے، ٹٹولے، دیکھے جس میں وہ ڈھلا ہوا ہے۔ یہ سانچہ بڑی بنیادی چیز ہے۔ اب خوش قسمتی ہے اُن لوگوں کی جنہیں محبت کا سانچہ مل گیا، رحمت کا سانچہ مل گیا، جنہیں اخلاق کا سانچہ مل گیا، ہدایت کا سانچہ مل گیا۔

۳۔ احساس کے سب سے برتر اُفق پر عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا چاند دمکتا ہے۔

ا۔ زندگی کی بہت سی سطحیں ہیں اور ہر سطح پر لوگ جیتے ہیں۔ کوئی پست سطح پر گھٹیا ماحول میں جیتا ہے۔ کوئی اعلیٰ سطح پر برتر ماحول میں جیتا ہے۔ ایک خوشبو میں سانس لیتا ہے، ایک بدبو میں۔ وہ مہک سے نکلے تو مر جائے اور یہ مہک میں اترے تو مر جائے۔ ایک گداگری میں دوسروں کی خیرات پر پلتا ہے اور ایک وہ ہے جو ہر وقت خیرات لٹاتا ہے۔ ایک کھانے کیلئے جیتا ہے اور ایک جینے کے لئے کھاتا ہے۔ ایک عبادت سے گھبراتا ہے اور ایک عبادت چھوڑنے سے گھبراتا ہے۔ ایک کی عشق سے جان جاتی ہے اور ایک عشق میں جان لٹاتا ہے۔ ایک اہلِ حق پہ ستم ڈھاتا ہے اور ایک حق کی خاطر ستم اٹھاتا ہے۔ ایک اہل مدینہ کو رلاتا ہے اور ایک یادِ مدینہ میں روتا ہے۔ ایک کی آنکھوں میں گنبد خضرا کھلتا ہے اور ایک کی آنکھوں میں دن رات یہ بستا ہے۔ ایک کا سینہ ذکر رسول ﷺ سے جلتا ہے اور ایک کا سینہ ذکر رسول ﷺ میں پگھلتا ہے۔ ایک تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی آیات سے سرکتا ہے اور ایک ان آیات پہ مچلتا ہے۔ پھر ان دو کے بیچ میں جیون کی ہزاروں سطحیں اور ہیں۔

خود قرآن میں زندگی کی بہت سی سطحیں بیان ہوئی ہیں۔ آخر منافقین، مشرکین، کافرین، مومنین، صالحین، شہداء، صدیقین اور انبیاء یہ بھی تو زندگی کی سطحیں ہی ہیں۔ پھر فاسقین، مجرمین، ظالمین، تائبین، عابدین، صابرین، خاشعین، شاکرین، ذاکرین، قانتین، متقین، مقربین، یہ اور ایسے دیگر اوصاف بھی تو زندگی کی مختلف سطحوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح محبت رسول اللہ ﷺ اور تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی مختلف سطحیں ہیں۔ ہر سطح پر کچھ لوگ جیتے ہیں۔ اب یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ کون ادنیٰ سطح پر جیتا ہے اور کون اعلیٰ سطح پر۔ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے اور اس تعظیم کا حق ادا کرنے کے باریک سے باریک گوشے سکھائے ہیں۔ وہ چاہتا ہے لوگ اس کے رسول ﷺ کی محبت، اتباع اور تعظیم کی بلند تر سطح پر جئیں اور اس سطح پر پہنچنے کے لئے انہیں راستے دکھاتا ہے، آداب بتاتا ہے اور غلطیوں سے بچنے کی احتیاط سکھاتا ہے۔

اب یہ سوچنا ہمارا کام ہے کہ آیا ہم خدا کے اس حکم کی تعمیل میں آگے بڑھیں اور اس کی خوشنودی کا راستہ ڈھونڈیں یا تنقیص کا شیوہ اپنا کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیں اور یوں اپنی عاقبت برباد کر بیٹھیں۔ ایک راستہ ایمان کا ہے جو تعظیم رسول ﷺ کی منزلوں سے ہو کر نجات اخروی کی سمت بڑھتا ہے اور دوسرا کفر کا راستہ ہے جو تنقیص رسالت کی وادیوں میں بھٹکتے آدمی کو بالآخر دائمی عذاب کی رسوائیوں میں جھونک دیتا ہے۔

مطالعۂ سیرت میں زاویۂ نگاہ کی غلطیاں

اوپر کی تصریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں۔ ہر شخص فکر و شعور کی ایک خاص سطح پر جیتا ہے اور اسی سطح شعور پر رہتے ہوئے حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ جن لوگوں کی سطح شعور پستیوں میں ڈوبی ہے، مطالعہ سیرت میں ان کا زاویہ نگاہ بھی یقیناً پستیاں لئے ہوگا۔ یہ المیہ آج کا نہیں، تاریخ اسلامی میں پہلے بھی ایسا ہوتا رہا کہ سیرت طیبہ پر مختلف لکھنے، سوچنے والے حضرات اپنے اپنے فکری سانچے اور شعور کی سطح پر رہتے ہوئے سیرت مطہرہ کے مختلف

گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے رہے جس سے بعض واقعات کے فہم اور بیان میں شدید تسامحات اور بڑی بڑی غلطیاں سامنے آئیں۔اس سلسلے میں چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو خدا کی خاص تدبیر و انتظام اور اُس کی لازوال حکمت کے آئینے میں دیکھنے کے بجائے عرب کے عام حالات، معاشرتی مزاج اور لوگوں کے رسم و رواج کی سطح پر دیکھا اور سمجھا ہے۔اس کا بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ سیرت پاک کے بہت سے واقعات کے بارے میں بالکل غلط سوچ پیدا ہوگئی، مثلاً عرب میں قافلوں کو لوٹنا ایک عام رواج تھا اور لوٹ کا مال بہت پسندیدہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے کہ:

انهم كانوا يكرهون أن تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لاتمكنهم الاغارة فيهما لان معاشهم كان من الاغارة

یعنی وہ ناپسند کرتے تھے کہ متواتر تین ماہ لوٹ مار کے بغیر گزر جائیں کیونکہ یہ ان کی معاش کا ذریعہ تھا۔

اب جو سیرت نگاروں نے غزوۂ بدر کے بارے میں لکھا ہے کہ مسلمان اصل میں قریش کا قافلہ لوٹنے کے لئے نکلے تھے مگر قافلہ بچ کر گزر گیا اور قافلے کو بچانے کے لئے مکہ سے آئے ہوئے لشکر سے جنگ ہوگئی تو خود انصاف کیجئے کہ کیا اللہ کے آخری رسول ﷺ کی سیرت طیبہ بیان ہو رہی ہے یا عربوں کے قومی مزاج اور معاشرتی رواج کی خرابیوں کو سیرت پاک کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔کیا خدا کی مرضی یہی تھی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کے لئے نکلیں۔ہرگز نہیں۔تو پھر حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو خدا کی مرضی، اُس کے فیصلے اور اس کی تدبیر کے آئینے میں کیوں نہیں دیکھا جاتا۔اسی طرح سفر طائف کو اکثر سیرت نگار مختلف قبیلوں کی پناہ ڈھونڈنے کی کوشش گردانتے ہیں؛ اور غار حرا کی خلوت کو تلاش حق کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ حق تو آپ ﷺ کو ہمیشہ سے میسر تھا۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کو عرب معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے دیکھنے کا رویہ سیرت نگاروں اور محققین کی ایک بہت بڑی غلطی ہے۔حضور اکرم ﷺ کے مزاج، طریقوں، اعمال، ضابطوں کو عہد جاہلیت کے رسوم و رواج کی توسیع اور منزہ شدہ صورت سمجھا گیا ہے۔حضور اقدس ﷺ نے عرب معاشرہ سے کچھ نہیں لیا بلکہ ہر چیز وحی الٰہی، شعور نبوت اور حکمت ایمانی سے ماخوذ تھی۔شعور نبوت معاشرہ کے تابع نہیں ہوتا۔یہ ماورائی الوہی فیضان ہوتا ہے۔

۳۔ جو کفار مکہ حضور اقدس ﷺ کو نہیں جانتے نہیں مانتے تھے انہوں نے اگر حضور ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ کسی معاملے میں نازیبا برتاؤ کیا، یا نامناسب باتیں کہیں تو کیا آج ہم کلمہ گو غلامان مصطفیٰ ﷺ کے لئے جائز ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی سیرت بیان کرتے وقت کفار کے ان مظالم کی روئیداد اس طرح دہرائیں کہ اس سے قارئین کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی عظمت و تقدیس اور محبت و تعظیم کے والہانہ جذبات کے تقاضے مجروح ہوتے ہوں۔جس طرح آج کے کفار کی گستاخیاں ہم دُہرا نہیں سکتے اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں کفار کے طرز عمل کو ہم ہو بہو اسی لہجے میں بیان نہیں کر سکتے؛ جبکہ ہم بہت سی کتب سیرت میں دیکھتے ہیں کہ مصنفین پیہم ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۴۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (بقرہ، ۱۰۴)

''اے ایمان والو اتم (نبی کریم ﷺ کی خدمت میں) لفظ ''راعنا'' نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہو اور پہلے ہی پوری توجہ سے سنا کرو (تاکہ تمہیں یہ بھی کہنے کی ضرورت نہ پڑے) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مجلس میں حضور سیّد عالم ﷺ کی گفتگو کے دوران بعض اوقات صحابہ کرام کوئی بات دوبارہ سننا چاہتے تو یوں عرض کرتے: (راعنا یارسول اللہ ﷺ) اس کا لفظی معنی ہے: ہماری رعایت فرمائیے۔یہود اس لفظ کو بگاڑ کر (راعینا) کہتے یا اپنی لغت میں سوء ادب کا معنی مراد لیتے اور اس طرح تنقیص رسول ﷺ کا پہلو نکال لیتے۔بے ادبی کے ایسے تمام امکانات کا ہمیشہ کے لئے سد باب کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے مسلمانو! (راعنا) کا لفظ مت کہو بلکہ (انظرنا) کہو جس کا معنی ہے: ہم پر نگاہ کرم فرمائیں، تیز اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ بارگہ رسول ﷺ میں اس طرح ہمہ تن گوش، سراپا توجہ اور مجسم ادب بن کر رہا کرو کہ بات سننے اور فیضیاب ہونے میں بھی ذرہ بھر کمی، کوتاہی نہ ہونے پائے اور ہاں یہ بھی جان لو کہ توہین رسالت کفر ہے اور کفر کی سزا دردناک عذاب ہے۔

پس ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے جن کو اپنے رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر اور حسن ادب کی توفیق سے نوازتا ہے وہ یقیناً بہت ہی خوش قسمت اور بلند مرتبہ مومن ہیں، جبکہ دوسری طرف ہیں گمراہی کی پستیوں میں گرے ہوئے وہ لوگ جنہیں خدا نے اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حق پہچاننے کی سعادت سے محروم رکھا۔جس شخص کے مزاج میں تنقیص رسالت کے اندھیرے بھر جائیں، پھر اس

کی روح کے کسی ایک بھی دریچے میں ہدایت کا کوئی چراغ کبھی روشن نہیں ہوتا۔

کچھ ایسے مفسرین قرآن ایسے بھی ہیں جو تنقیص رسالت کے ماحول میں پروان چڑھے: ہیں اس لئے وہ تعظیم رسول ﷺ کی آیات کے مفاہیم میں اترنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر یونہی سرسری طور پر ایسی ہر آیت کے پاس سے گزر جاتے ہیں بلکہ زیادہ واضح لفظوں میں بائی پاس (Bye Pass) کر جاتے ہیں۔ اسی پیش نظر آیت کی مثال لیجئے: جو مفسرین تنقیص رسالت کا شیوہ رکھتے ہیں، وہ اس آیت کا تعلق بس گزری ہوئی تاریخ کے ایک واقعہ سے جوڑ کر گزر جاتے ہیں۔ گویا ان کی نظر میں اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے تعظیم رسول ﷺ کا جو حکم دیا ہے اس کا ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں، وہ تو بس عہد رسالت میں موجود صحابہ اور یہود کے ایک خاص لفظ بولنے سے متعلق ہے اور بس۔ ان کے نزدیک تو یہ آیت گویا ایسی ہے جیسے گزرے ہوئے زمانے کی ایک کہانی ہو جو کتاب میں آ گئی ہے۔

۵۔ کچھ لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنی توجہ اور نگاہ ایسی چیزوں پر مرکوز رکھتے ہیں جن سے وہ اپنے زعم باطل میں نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں معاذ اللہ کسی قسم کی کمی یا نقص کا کوئی شائبہ ڈھونڈ سکیں۔ چنانچہ ایسے لوگ قرآن حکیم کی مختلف آیات کے غلط مفاہیم اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نیز سیرت طیبہ کے واقعات اور حضور اکرم کے ﷺ عوارض بشریت میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے پہلو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے وہ اپنے باطل گمان کی دلیل نکال سکیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن حکیم کا یہ اسلوب بیان یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے رسول ﷺ کی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کرتا ہے تو خود کو بیچ میں لا کر کہتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (حدید: ۹)

''وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں''۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (اسراء: ۱)

''(ہر عیب) سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دنیا والو جب تم میں سے کوئی میرے رسول کی خوبی کا انکار کرتا ہے تو وہ رسول ﷺ کی خوبیوں کا انکار نہیں کر رہا ہوتا بلکہ میرا انکار کر رہا ہوتا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (انعام: ۳۳)

''(اے حبیب ﷺ!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ ﷺ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ ﷺ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں''۔

قارئین محترم! دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ اس آیت کریم میں کیا فرما رہا ہے: یہ کہ اے میرے محبوب ﷺ ہم جانتے ہیں کہ بے شک وہ باتیں آپ ﷺ کو تکلیف دیتی ہیں جو یہ کافر آپ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں لیکن وہ ظالم آپ ﷺ کا انکار نہیں کر رہے ہوتے بلکہ میری آیات کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ گویا کھلا کہ محبوب خدا ﷺ کی ہر فضیلت خدا کا اک کرم ہے، انعام ہے، ایک عطا کی شان ہے۔

مطالعۂ سیرت النبی ﷺ کا درست زاویۂ نگاہ

اوپر بیان ہوئیں زاویۂ نگاہ کی وہ چند غلطیاں جو ہمیں سیرت طیبہ کے مطالعہ میں بعض لوگوں کے ہاں نظر آتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مطالعۂ سیرت کا درست اور حقیقی زاویۂ نگاہ اپنایا جائے اور غلط انداز فکر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تسامحات دور کئے جائے۔ مطالعۂ سیرت کے غلط انداز فکر سے نجات پانے کے لئے سب سے پہلی اور اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ہمارے اندر غلطی کا احساس اور اصلاح کی آرزو پیدا ہو جائے۔ احساس بہت ضروری چیز ہے۔ یہ جو ہمارا جسم ہے، اس سارے وجود کی خیریت، صحت، عافیت، تندرستی، سلامتی صرف ایک چیز کی وجہ سے ہے جسے احساس کہتے ہیں۔ احساس اصل میں ہدایت کا پہلا قدم ہے۔ ایک شخص جرم کی زندگی گزار رہا ہے، بے حیائی میں ڈوبا ہوا ہے، گناہوں میں لتھڑا ہوا ہے تو ساری دنیا کے لوگ مبلغ بن جائیں اور اسے ہدایت و اصلاح کی راہ پر لانا چاہیں پر سارے سب مل کر اُسے نہیں سدھار سکتے جب تک اس کے اپنے اندر احساس کی رمق نہ پھوٹے؛ لیکن اگر اُس کا احساس جاگ جائے تو وہ خود سدھر جائے گا۔

احساس بیدار ہو تو انسان کے اوپر جتنے بھی خول چڑھے ہوں اُنہیں توڑ دیتا ہے۔ جتنے سانچے بنے ہوں اُنہیں چیر دیتا ہے۔ وہ سانچہ جس میں انسان زندگی گزارتا ہے اگر جرم کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر یہ ہدایت پر آ جاتا ہے۔ وہ کفر کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر ایمان تک آ جاتا ہے۔ وہ شرک کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر توحید تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ توہین رسالت ﷺ کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر عشق رسول ﷺ میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ ناشکری کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر شکر گزاری میں پہنچ جاتا ہے اور اگر بے وفائی کا سانچہ ہو تو اُسے توڑ کر وفا کا پیکر بن جاتا ہے۔

سطور ذیل میں قرآن حکیم، احادیث طیبہ، مقاصد شریعت، اسلامی مزاج اور دانش ایمانی کے تناظر میں چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے بات اچھی طرح کھل کر سامنے آ جائے گی کہ مطالعہ سیرت النبی ﷺ کے سلسلے میں اہل ایمان کا زاویہ نگاہ، انداز فکر اور طرز احساس کیا ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے سیرت طیبہ کے مفہوم واطلاق کی بیکراں وسعتوں کا ادراک ضروری ہے۔

ا۔ سیرت فقط احوال نہیں، زندگی کے ہر اُفق پر یہی دھنک پھیلی ہے۔

ا۔ سیرت سے مراد طریقہ زندگی ہے۔ اسلوب حیات، منہج عمل، طرز احساس غرض وہ سب کچھ جو زندگی میں ہوتا ہے، سیرت میں شامل ہے۔ حضور سید کائنات ﷺ کی سیرت مطہرہ کے حوالے سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ ولادت سے لے کر وصال تک تریسٹھ برس کی ناسوتی عمر میں جو اعمال، احوال اور واقعات تھے جیسے جنگیں، سفر، تجارت، معاملات، معاشرت، معیشت اور سیاست وغیرہ بس یہی چیزیں سیرت مطہرہ میں شامل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے روحانی کمالات، شمائل وخصائص اور شخصی تصرفات، حلیہ اطہر کے بیان سے عام طور پر کتب سیرت خالی ملتی ہیں؛ حالانکہ صحابہ کرام کے ہاں حلیہ اطہر کے بیان کا معمول ایک مستقل روایت تھی۔ پس کھلا کہ ''سیرت'' سے مراد صرف واقعات زندگی نہیں ہیں کیونکہ انسان کی زندگی میں صرف وہ واقعات ہی نہیں ہوتے جو اس کے ساتھ پیش آتے ہیں، بلکہ اُس کا چہرہ، نقوش و خطوط بھی ہیں، قد وقامت بھی ہے، رنگ وروپ اور سراپا بھی ہے۔ پس ماننے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے شمائل وخصائص اور صورت زیبا سب سیرت میں شامل ہیں۔ ایک جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کا ایک نعتیہ شعر ہے۔

لو لم تكن فيه آيات مبينة

لكانت بديهته تاتيك بالخبر

یعنی اگر حضور اقدس ﷺ کے معجزات، کمالات اور آیات نبوت آشکار نہ بھی ہوتیں، تب بھی صرف آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا حسن وجمال ہی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا سب سے واضح نشان اور غیب وشہادت کی ساری خبروں کا آئینہ داری کے لئے کافی تھا۔

۲۔ پس کھلا کہ صرف واقعات واحوال، عبادات اور اعمال ہی سیرت نہیں ہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی جہات بھی سیرت ہیں۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کے چہرے پر جو نگاہ پڑتی ہے اور اُس سے دلوں میں برقی لہر دوڑتی ہے وہ برقی رو حضور ﷺ کی سیرت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی آواز کانوں میں پڑتی ہے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ بھی سیرت کا حصہ ہے کیونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کا تصرف ہے جو دلوں کو بدل دیتا ہے۔ ادھر مصطفیٰ ﷺ کی زبان سے قرآن کے الفاظ ادا ہو رہے ہیں، اُدھر سننے والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی ہے۔ یہ جو دلوں پر مصطفیٰ ﷺ کا تصرف ہے، کیا سیرت نہیں۔ صحابہ کا ایمان ساری کائنات سے بڑھ کر ہے، بے مثل اور انمول۔ یہ ایمان چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کے دیدار سے پھوٹا تھا۔ سو یہ ایمان مصطفیٰ ﷺ کی برکت ہے اور برکتیں حضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں شامل ہیں۔ حیات طیبہ، شمائل، حلیۂ اطہر، خصائص، کمالات، تصرفات غرض وہ سب چیزیں جو آپ کی زندگی کے حوالے سے ہم جانتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی سیرت ہی تو ہے۔

۳۔ حضور اکرم ﷺ کی شانیں اور کمالات لحظہ لحظہ جگمگا رہے ہیں اور ہر جہان میں الگ انداز سے جگمگا رہے ہیں۔ خدا نے انگنت دنیائیں بنائی ہیں اور ہر دنیا میرے حضور ﷺ کی امتی ہے۔ ہر جہان آپ ﷺ کا غلام ہے۔ ہر عالم میں آپ ﷺ کی سیرت درخشاں ہے۔ کائنات اور زندگی کے ہر اُفق پر آپ ﷺ ہی کا پھریرا لہرا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت صرف اولاد آدم، جنات اور فرشتوں تک محدود نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے ہے۔ جتنے جہان ہیں ہر جہان میں حضور ﷺ کی سیرت چمک رہی ہے۔ سیرت مصطفیٰ ﷺ صرف انہی کمالات، تصرفات اور شانوں تک محدود نہیں جو دنیا والوں کو نظر آئے بلکہ وہ بھی جو آسمان والوں نے دیکھے، لوح وقلم اور عرش وکرسی نے دیکھے۔ حضور اکرم ﷺ جس جہان میں بھی ہوں نئی شان سے چمکتے ہیں اور ہر جہان میں چمکنا ان کی سیرت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کے دائرے میں چند تاریخی واقعات وسوانح ہی نہیں آتے، بلکہ سارا قرآن آتا ہے، حضور اکرم ﷺ کی ساری تعلیمات آتی ہیں۔ فرائض، عقائد، معاملات، عبادات، انداز زیست، حتیٰ کہ حضور ﷺ سے تعلق رکھنے والے ان رفقاء کے سوانح بھی آ جاتے ہیں جو آپ ﷺ کے زیر تربیت رہے۔ غرض ساری اسلامی زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر بات جو حضور اقدس ﷺ سے کچھ بھی واسطہ رکھتی ہو، چاہے انفرادی یا اجتماعی، سیرت رسول ﷺ کے احاطے کے اندر ہے۔

ا۔ سیرت کے ہر واقعے میں مشیت الٰہی کی تابانیاں جھلکتی ہیں

ا۔ سیرت طیبہ کا ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ اور ہر باریک سے باریک معاملہ بھی ہمیں براہ راست اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور اس کی خاص تدبیر وانتظام کے آئینے میں دیکھنا چاہیے نہ کہ معاشرتی حالات، عرب کے رسم ورواج اور عام دنیاوی سطح پر رکھ کر، جیسا کہ بعض سیرت

نگار غلطی سے کرتے رہے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حبب الی من دنیا کم ثلاث: الطیب والنساء وجعلت قرة عینی فی الصلوة

اس حدیث پاک سے عیاں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں: میری سیرت کے ہر واقعے عمل، ادا، کیفیت کا مطالعہ مشیت الٰہی کے آئینے میں کرو۔ جس معاملہ میں بظاہر اُس کی حکمت تمہیں سمجھ نہ آئے یا مقام نبوت کے شایاں محسوس نہ ہو ایسے ہر واقعہ، کام، عمل کو خدا کو مشیت اور رضا سمجھو۔ اُس کی نسبت میری طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف کرو۔ اُس میں حکمت الٰہی اور شان نبوت دونوں آپس میں ہم کنار اور ہم آہنگ نظر آئیں گی۔

۲۔ چنانچہ دیکھیے سورہ یٰس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ (یٰس:۶۹)

''ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا کیونکہ یہ ان کی شان کے شایاں نہیں ہے''۔

شعر کہنا کوئی عیب نہیں ہے، لیکن جس اعلیٰ مقام تنزہ پر حضور سید عالم ﷺ فائز ہیں، شعر گوئی اس سے کچھ فروتر محسوس ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اور بتادیا کہ شاعر نہ ہونا میرے رسول ﷺ کی شان میں کمی نہ سمجھو۔ اسے میری حکمت ازلی کے رخ سے دیکھو۔ اگر میں نے اپنے رسول ﷺ کو شعر گوئی سے منزہ رکھا ہے تو یہ ان کی سیرت کا نقص ہرگز نہیں ہے، بلکہ میں نے شاعری کو اپنے رسول ﷺ کی شان سے فروتر رکھا ہے۔

حاصل یہ کہ سیرت طیبہ کے ہر واقعے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے اور اُس کی لازوال مشیت کے آئینے میں دیکھو۔ جہاں جہاں تمہیں نظر آئے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدبخت لوگ کوئی نقص ڈھونڈیں وہاں وہاں جب خدا کی نگاہ سے دیکھو گے، اپنی زمین سے اٹھ کر خدا کی زمین پر جا کر دیکھو گے تو سیرت رسول ﷺ تمہیں خدا کی حکمت کا ہو بہو نمونہ نظر آئے گی۔ میرے رسول ﷺ کی سیرت میں ہر چیز کمال ہے، کوئی نقص، کوئی کمی، کوئی خامی نہیں ہے۔

۳۔ تصورِ عظمتِ سیرت کی ہر معراج پر ہر دم نچھاور ہو

قرآن کریم بتاتا ہے کہ مشیت الٰہی یہ ہے کہ ساری مخلوق ہر وقت میرے رسول اللہ ﷺ کے فضائل و برکات کو سوچنے اور بیان کرنے میں لگی رہے۔ ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح:۴)

''میرے محبوب ﷺ تیرے ذکر کو میں نے بلند کر دیا''

اب ہر دل میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر رہنا چاہیے۔ حضور ﷺ کی یاد، حضور ﷺ کا تصور اور دھیان رہنا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ کی عظمت، فضیلت اور بزرگی کا شعور و احساس ہر ذہن میں ہمیشہ جاگزیں رہنا چاہیے۔ قرآن میں ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ بقرہ:۲۵۳)

''یہ رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر''

اور فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء:۱۱۳)

''اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے''۔

گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: میرے محبوب ﷺ! روئے زمین پر جو کوئی جتنی بھی تیری فضیلتیں بیان کرے گا تیرے رب کا فضل تجھ پر اس سے بھی زیادہ ہے۔ سیرت مصطفیٰ ﷺ کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھنا ہے: بیان فضیلت میں شدت ارتکاز اور مبالغہ۔ جو کوئی میرے رسول ﷺ کی شان میں جو کچھ کہہ دے اسے قبول کرو اور میرے رسول ﷺ کی شان میں کمی کرنے والا کوئی فقرہ، کوئی بات کہیں سے سنو تو فوراً ناپسندیدگی، بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کرو۔

۴۔ قرآن کے کسی لفظ میں تنقیص رسالت کا کوئی شائبہ ہرگز مُرادِ الٰہی نہیں ہوسکتا

ایک اور بنیادی بات یہ ہے کہ تعظیم مصطفیٰ ﷺ ایک دائمی فریضہ ہے، جس کی پاسداری ہر صاحب ایمان پر ہمیشہ، ہر پل، ہر ساعت، ہر آن لازم ہے، پھر یہ فریضہ صرف عملی ہی نہیں، فکری، اعتقادی، شعوری، ایمانی، حسی، قلبی اور وجدانی بھی ہے۔ پس لازم ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل،

دماغ، روح، جذبہ واحساس، شعور و وجدان اور عقیدہ وایمان کے ہر دائرے میں اپنے آقا و مولا حضور سید عالم رحمت کونین ﷺ کی تعظیم و تقدیس درجہ کمال اور منتہائے امکان کی آخری سطح تک قائم و برقرار رکھے۔ قرآن کو سمجھنے کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ ہم اپنا زاویہ نگاہ، اپنی سوچ کا انداز اور اپنی توجہ کا رخ ایسا بنالیں کہ ہر آیت، ہر لفظ کا وہی معنی اور مفہوم ہمارا محل ارتکاز بن جائے جس سے خدائے ذوالجلال کی حقیقی منشا، اور مراد اجاگر ہو رہی ہو۔ ہر صاحب ایمان کے لئے سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور قرآن حکیم خدا کا ازلی، ابدی کلام۔ سو ایسا ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی ایک بھی آیت، ایک بھی لفظ ایسا موجود ہو جس سے خدا کی مراد اور منشاء یہ نکل سکے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کی کسی طور تنقیص کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

ہر مومن کے دل میں یہ بات اچھی طرح جاگزیں ہو جانی چاہیے تا کہ جب تک سانسوں کا رشتہ جڑا ہوا ہے، جب تک دل میں دھڑکنیں باقی ہیں، جب تک نبضوں کا ارتعاش قائم ہے تب تک قرآن کے کسی لفظ، کسی آیت سے کوئی شخص تنقیص رسالت کا کوئی معنی، کوئی پہلو نکال کر اُس کے سامنے لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

۵۔ بیانِ سیرت کے مجموعی قرآنی تناظر ہی میں ہر جزئیہ کا صحیح فہم اُبھرتا ہے

قرآن کریم کی ہر سورت ایک مکمل یونٹ ہے۔ یعنی اس سورت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی ایک مرکز کے گرد گھومتا ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کی سیرت پاک کا کوئی خاص رنگ، کوئی خاص کمال، کوئی خاص شان ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی سیرت کے کمالات سارے قرآن میں پھیلا کر بیان کئے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے متعلق کوئی آیت پڑھتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تنہا یہی ایک آیت ہے جو اپنے سیاق و سباق سے کٹی ہوئی اس مقام پر حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا ایک خاص پہلو بیان کر رہی ہے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ہماری سمجھ کی غلطی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیرت مصطفیٰ ﷺ کی ہر آیت کو قرآن حکیم میں جہاں بھی رکھا ہے وہاں وہ اپنے سیاق و سباق سے جڑی ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ پوری سورہ میں پھیلے ہوئے جملہ مباحث و مضامین کا مرکزی اور جوہری حصہ ہوتی ہے۔ ہم اسے پیش نظر سورہ کی ایک آیت سمجھتے ہیں جبکہ وہ صرف ایک آیت نہیں ہوتی بلکہ سورہ کی روح ہوتی ہے۔ وہ اس کا نیوکلیس ہوتا ہے جس کے گرد پوری قرآنی سورہ گھوم رہی ہوتی ہے۔ ہر دائرے کا ایک مرکز ہوتا ہے جو پوشیدہ ہوتا ہے۔ دائرے کی لائن تو نظر آتی ہے مرکز نظر نہیں آتا؛ اس کے باوجود دائرے کے سب نقطے ایک خاص ترتیب میں اپنے مرکز سے جڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح پوری ہر قرآنی سورت پوری ایک دائرہ کی مانند ہے اور اس دائرے کا ایک مرکز ہے جو حضور اکرم سید عالم ﷺ کی سیرت کا کوئی ایک خاص پہلو ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆

علامہ پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن مدظلہ

علم، ادب اور دانش کی تاریخ کا ایک اہم نام مفتی منیب الرحمٰن ہے۔ آپ کی ہردلعزیز شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ راہِ دین میں آپ کا خلوص اور انتھک نقد و نظر کے میزان پر تولا نہیں جاسکتا۔ آپ کے چاہنے والے ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہیں۔ آپ کو معطیٰ کی رحمت نے علم کے ساتھ استدلال اور معلومات کے ساتھ عمل اور تقبیل کی دولتیں عطا کر رکھی ہیں۔ رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے آپکو ہر سال اعتراضات اور تنقیدات کی صحراؤں سے گذرنا پڑتا ہے لیکن مفتی صاحب انتہائی کھرے آدمی ہیں۔ تنظیم المدارس پاکستان کے صدر کی حیثیت سے آپ کی خدمات مسلمہ ہیں۔ دلیل راہ کے قارئین کے لیے ان سے سوال و جواب کی نشست دلچسپی کی حامل ہے۔ ملاحظہ ہو مفتی منیب الرحمٰن فرماتے کیا ہیں۔۔۔؟ (ادارہ)

انٹرویو پینل

عبدالحفیظ معارفی، محمد خالد ماتریدی، محمد سلمان قادری ترابی

سوال: آپ کی عمر یا تاریخِ پیدائش، جائے پیدائش اور خاندانی پس منظر سے آگاہ فرمائیں؟

جواب: میری تاریخ پیدائش :08۔ فروری 1945ء ہے۔ میرا مقامِ ولادت یہ ہے: موضع نمبل (اپر تناول)، تحصیل اوگی، ضلع مانسہرہ۔ بچپن اپنے آبائی گاؤں میں گزارا۔ وہ دور عیش و عشرت کا نہیں تھا۔ آج پاکستان میں جو نعمتیں ہمیں میسر ہیں، وہ ابتدائی دور میں نہیں تھیں۔ الحمدللہ بچپن اچھا گزرا، محدود ماحول تھا اور خواہشات بھی لامحدود نہیں تھیں۔ اس دور میں اپنے ماحول اور علاقے کے اعتبار سے ہمارا خاندان علمی تھا، ہمارے آباؤاجداد کئی پشتوں سے اہلِ علم اور اہلِ ورع و تقویٰ تھے اور دینی علوم کی درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہمارے خاندان میں ہمیشہ جاری رہا ہے، اس دور کے اعتبار سے حالات الحمدللہ مناسب تھے۔ اب بھی میرے خاندان میں پوسٹ گریجویٹ کی سطح تک تعلیم کا تناسب تقریباً سو فیصد ہے۔ زیادہ تر ڈاکٹر ہیں، ان میں اسپیشلسٹ بھی ہیں، انجینئر ہیں، پی ایچ ڈی بھی ہیں اور سول و ڈیفنس سروسز میں بھی ہیں۔

سوال: کن کن اساتذہ سے اور کہاں کہاں سے اکتسابِ فیض کیا؟

جواب: ابتدائی دینی تعلیم اپنے گھر پر والدین سے حاصل کی۔ گورنمنٹ پرائمری اسکول شیر گڑھ سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی، جس کے لئے روزانہ پانچ میل پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول اوگی سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے دینی علوم حاصل کئے۔ علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ میرے استاذِ گرامی تھے۔ اس کے بعد دارالعلوم امجدیہ کراچی سے درجۂ حدیث تک دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ یہاں شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری اور علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہم اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کراچی بورڈ سے بتدریج انٹرمیڈیٹ اور فاضل عربی کے امتحانات پاس کئے۔ پھر کراچی یونیورسٹی سے بی۔اے، ایم۔اے، ایل ایل۔بی اور بی۔ایڈ کے امتحانات پاس کئے۔ الحمدللہ میرا تعلیمی ریکارڈ شروع ہی سے اچھا رہا ہے۔

سوال: تحریکِ ختمِ نبوت میں آپ کا کردار؟

جواب: تحریکِ ختمِ نبوت جب برپا ہوئی تو اس وقت میں "ترجمان اہلسنت" کراچی کا مدیرِ مسئول تھا۔ ہم نے "ترجمان اہلسنت" کے دو ضخیم شمارے ختمِ نبوت کے عنوان سے نکالے۔ ان میں قادیانیت کی ابتدا اور ارتقا کی پوری تاریخ "لندن سے قادیان تک" کے عنوان سے شائع کی۔ ختمِ نبوت اور ارتدادِ قادیانیت پر وقیع مضامین شائع کئے۔ بعدازاں ایک کتابچہ "مرتد کی شرعی سزا" کے عنوان سے شائع کیا اور یہ تمام لٹریچر قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے توسط سے پارلیمنٹ کے تمام ممبران میں تقسیم کیا تاکہ ارتدادِ قادیانیت کے بارے میں ان کی ذہن سازی ہوسکے اور الحمدللہ ہماری ان معمولی سی عاجزانہ مساعی کا ساتویں آئینی ترمیم کا مرحلہ سر کرنے میں تھوڑا سا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

سوال: آپ نے جماعتِ اہلسنت اور JUP کے مختلف ادوار دیکھے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اہلسنت میں دھڑوں کو ختم کرکے اتحاد کی کیا صورت ممکن ہے۔ کیا اتحاد کے لئے آپ نے کوئی عملی کوشش کی، آپ کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

جواب: جمعیت علماءِ پاکستان کا بلاشبہ تحریکِ پاکستان میں ایک کردار ہے۔ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کی دستاویزات، مسلم لیگ کی تاریخ اور سیکنڈری اسکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک نصابی کتب میں اہلسنت کی خدمات کا نہ اعتراف کیا گیا اور نہ ہی ان کو جائز مقام دیا گیا، بلکہ کانگریس کے ہمنوا علماء کا تذکرہ زیادہ ملتا ہے، بقول شاعر:

جب چمن کو لہو کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے یہ اہلِ چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

پچاس اور ساٹھ کے عشرے میں جمعیت علماء پاکستان کا وجود علامتی تھا۔ اس نے باقاعدہ منظم سیاسی جماعت کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کے صدر رہے اور اس وقت کے صدرِ پاکستان جناب محمد ایوب خان سے ان کی قربت کی وجہ سے جمعیت کی ساکھ متاثر ہوئی۔ جماعت اہلِ سنت کا قیام کراچی میں عمل میں آیا، اس وقت کے کراچی کے اکابر علماءِ اہلسنت نے محسوس کیا کہ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ جمعیت علماء پاکستان کو عوامی جماعت بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو ان اکابر علماء کی بصیرت کہ آپس کی محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے علماء و عوامِ اہلسنت کو متحرک اور منظم کرنے کے لئے جماعت اہلسنت کی بنیاد ڈالی۔ مساجد میں اجتماعات سے اس کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور آہستہ آہستہ سیاست میں متحرک ہوئے اور اپنے وجود کو مختصر عرصے میں منوالیا۔ پھر ٹوبہ ٹیک سنگھ

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان میں رکن مدارس کی تعداد چھ ہزار سے متجاوز ہے

میں سنی کانفرنس منعقد ہوئی اور جمعیت علماءِ پاکستان کا احیا ہوا۔ نشتر پارک کراچی میں تاریخی سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جماعت اہلسنت نے جمعیت علماءِ پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا اور اسی کے پلیٹ فارم سے 70 کے قومی انتخابات میں حصہ لیا اور پاکستان بھر سے جمعیت علماءِ پاکستان کے پلیٹ فارم سے سات ممبران قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور سندھ اسمبلی میں حزب اختلاف کی قیادت جمعیت علماءِ پاکستان کے حصے میں آئی۔ 1973ء کے دستور کی قومی اتفاق رائے سے منظوری کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے

مقابل حزب اختلاف کی طرف سے وزارت عظمیٰ کے لئے متفقہ امیدوار قرار پائے۔ 1973ء کے دستور کی تدوین میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے مؤثر کردار ادا کیا۔ ارتدادِ قادیانیت کی قرارداد کے محرک (Proposer) صرف اور صرف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ تھے، باقی سب علماء اور دیگر ممبران مؤید (Seconder) تھے۔ جمعیت علماءِ اسلام کے دو اراکین مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم چونکہ اس وقت پیپلز پارٹی کو پیارے ہو چکے تھے، اس لئے ارتدادِ قادیانیت کی قرارداد کے مؤیدین میں ان کے نام شامل نہیں ہیں۔ اسی طرح علامہ شاہ احمد نورانی نے اس وقت کے صدر جنرل یحییٰ خان کی ان پالیسیوں کی مخالفت کی، جن کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا۔ بعد ازاں اتفاق رائے سے جمعیت علماءِ پاکستان اور جماعت اہلسنت کے عہدیداران الگ الگ منتخب کئے گئے تاکہ کسی وقت سیاسی جماعتوں پر خدانخواستہ پابندی یا ان کی سرگرمیوں پر کوئی قدغن لگائی جائے تو جماعت اہل سنت میدان عمل میں موجود رہے، لیکن دونوں میں مکمل ہم آہنگی تھی۔ بعد میں بدقسمتی سے بوجوہ جمعیت علماءِ پاکستان میں شکست و ریخت ہوئی اور اس کے نتیجے میں جماعت اہلسنت اور انجمن طلباءِ اسلام کی وحدت بھی قائم نہ رہ سکی۔

آج پاکستان میں جو نعمتیں ہمیں میسر ہیں، وہ ابتدائی دور میں نہیں تھیں

مجھے اللہ تعالیٰ نے جو بصیرت عطا فرمائی ہے، اس کی روشنی میں، میں پوری دیانت داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ ہم مختلف اوقات میں ہم مسلک تنظیموں، جمعیتوں اور جماعتوں کا جو الائنس بناتے ہیں، یہ محض نوجوان علماء اور عوامی دباؤ سے گریز کا راستہ ہے، جیسے "سنی اتحاد کونسل" کی حالیہ تشکیل۔ اگرچہ ہمارے لئے اس کی حمایت کے سوا کوئی چارۂ کار اور مفر نہیں ہے، لیکن مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ یہ وہ حقیقی اتحاد نہیں ہے جو ہمارا Ideal، مطلوب کامل، Utopia اور دیرینہ خواب ہے، کیونکہ اتحاد (Unity) کے حقیقی معنی ہیں تکثر (Pluralism) کا اپنے اپنے الگ الگ وجود کو ختم کر کے ایک وحدت (Unit) میں ضم ہو جانا۔ تو جماعتیں بھی ہوں، ہر ایک کے اپنے اپنے عہدیداران اور نظم بھی قائم ہو اور ہم حالات کے جبر کے تحت ایک الائنس بن جائیں، تو یہ حقیقی اتحاد نہیں ہے۔ اس طرح کے الائنس تو مختلف الخیال اور بعض اوقات متضاد نظریات اور پروگرام رکھنے والی جماعتوں میں ضرورت یا کسی خاص وقتی ایجنڈے کے تحت قائم ہوتے ہیں اور وہ وقتی داعیہ (Motive) جب ختم ہو جاتا ہے یا وہ غیبی قوت (Hiden Force) جو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے الائنس تشکیل دیتی ہے، جب ان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو ایسے غیر فطری اتحاد (Un Natural Alliances) خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، ہماری مثال ایسی تاریخوں سے بھری پڑی ہے۔ سیاست میں اس کی مثال یو۔ڈی۔ایف، پی۔این۔اے، ایم۔آر۔ڈی، اے۔آر۔ڈی اور این۔ڈی۔ایف وغیرہ ہیں۔ خالص مذہبی اور مذہبی سیاست (Religio-Poltical) کے شعبے میں اس کی مثالیں تحریک ختم نبوت، ملی یکجہتی کونسل اور ایم۔ایم۔اے وغیرہ ہیں۔

سنت رسول یہ ہے کہ انسان اپنی بساط کے مطابق اصلاح کا کام کرتا رہے

ہم نے اس منزل کے حصول کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ تاہم ہمارے لوگوں کو امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے ہمیشہ خلوص نیت کے ساتھ عملی جدوجہد اور دعائیں کرتے رہنا چاہئے، شاید کوئی لمحہ قبولیت آجائے۔

پچاس اور ساٹھ کے عشرے میں جمعیت علماء پاکستان کا وجود علامتی تھا

سوال: روزمرہ کے معمولات سے کچھ آگاہی عطا کریں؟

جواب: میں جب کراچی میں ہوتا ہوں تو صبح سویرے بعد نماز فجر دارالعلوم نعیمیہ میں آتا ہوں اور اپنی صلاحیت اور بساط کے مطابق ادارے کی بہتری اور معیار کو بلند کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہوں۔ ہم بحیثیت مجموعی علمی میدان میں بدقسمتی سے معیار (Quality) اور کمیت ومقدار (Quantity) دونوں اعتبار سے کچھ عرصے سے تنزل کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں علم اور اہل علم کی وہ قدر ومنزلت نہیں رہی جو ہونی چاہئے، اسی طرح ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ، متوسط تعلیم یافتہ اور کم تعلیم یافتہ افراد میں مطالعے کا ذوق نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ

ہمارے ہاں مطبوعات دوسروں کے مقابلے میں کم ہے۔ اس حقیقت کو بیان کرنے پر ہمارے بہت سے دوست برا مناتے ہیں، لیکن جب تک ہم اپنی کمزوریوں کا ادراک کر کے ان پر قابو نہیں پائیں گے، ہم موجودہ دنیا میں اپنے لئے قابل اعتبار اور قابل افتخار مقام نہیں پاسکتے۔ میرے اس تجزیے کا جائزہ اپنی اور دوسروں کی علمی مطبوعات اور اخبارات وجرائد سے کر سکتے ہیں۔ "دلیل راہ" ایک موقر جریدہ ہے، اس کے مؤسس اور مدیر اعلیٰ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب زید مجدہم متقدر عالم بھی ہیں، پیر طریقت بھی ہیں، مایہ ناز خطیب بھی ہیں، صاحب قلم بھی ہیں اور جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں، جس کا نیٹ ورک قومی اور بین الاقوامی بتایا جاتا ہے، لیکن ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اشاعت کیا ہے اور کتنے افراد ہیں جو اس کے باقاعدہ خریدار ہیں، لاکھوں میں ہونے چاہئیں، لیکن کیا حقیقت میں ایسا ہے؟۔

مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان کا کوئی بجٹ ہے نہ ہی چیرمین سمیت اس کے ارکان کے لئے کوئی اعزازیہ یا مراعات ہیں

مجھے قومی سطح پر مختلف فورمز اہل سنت کی نمائندگی کرنی پڑتی ہے، میڈیا سے بھی رابطہ موجودہ دور کا تقاضا ہے، روز کسی نہ کسی مسئلے پر مختلف ٹیلی ویژن چینلز کو دین اسلام اور مسلک حق اہل سنت وجماعت کے مطابق اپنا موقف دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی ذرائع ابلاغ بھی رابطہ کرتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر مختلف کانفرنسوں میں بھی شرکت کرنی پڑتی ہے، تنظیم المدارس اہل سنت وجماعت کے صدر اور اتحادِ تنظیمات مدارس پاکستان کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے مختلف ممالک کے دورے وقتاً فوقتاً کرنے ہوتے ہیں تاکہ مدارسِ دینیہ کے بارے میں جو خود ساختہ مفروضوں پر مبنی ناپسندیدہ تصور (Image) بنادیا گیا ہے اور عالمی سطح پر اس کا وقتاً فوقتاً اعادہ کیا جاتا ہے، اس کا ازالہ کیا جاسکے اور مدارسِ دینیہ کی صحیح تصویر (Image) پیش کی جاسکے۔ حال ہی میں ہم نے اسلام آباد میں تمام مغربی سفراء کے ساتھ ایک میٹنگ کی اور مدارسِ دینیہ کی تاریخ اور کردار کے بارے میں صحیح تصویر پیش کی اور یہ ایک طویل نشست تھی، اس میں ہم نے ان کو موقع دیا کہ وہ اپنے تمام تحفظات (Reservations) اور اعتراضات ہمارے سامنے پیش کریں، الحمدللہ ہم نے انہیں مطمئن کیا اور یہ ایک مفید نشست تھی۔ ناروے کے سفیر نے Diplomatic Enclave میں اپنی رہائش گاہ پر اس کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں ترکی، مصر اور ملائشیا کے سفراء بھی تھے۔

70 کے انتخابات میں پاکستان بھر سے جمعیت علماءِ پاکستان کے پلیٹ فارم سے سات ممبران قومی اسمبلی منتخب ہوئے

ہمارے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ مغرب کا ہدف ایک مخصوص نظریے کے حامل مدارس ہیں، کسی حد تک یہ درست بھی ہے، لیکن انہوں نے نہ تو الگ کوئی فہرست بنا رکھی ہے اور نہ ہی امریکہ اور مغربی ممالک کے ایئرپورٹس پر ہمارے لئے پذیرائی کے الگ کاؤنٹرز ہیں۔ ان کا سلوک مفسدین اور امن پسندوں کے ساتھ یکساں ہے۔ ان کے روابط بھی ان طبقات سے زیادہ ہیں اور ان کا میڈیا بالعموم انہی سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ ہمارے جو لوگ امریکہ اور مغربی ممالک میں رہتے ہیں وہ اپنے ماحول اور اپنی دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہاں کے تقاضوں کا انہوں نے صحیح ادراک کیا اور نہ ہی ان کے لئے مناسب تیاری کی۔

اس کے علاوہ میں افتاء کا کام بھی کرتا ہوں، الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا دونوں پر مواقع سے استفادہ کرتا ہوں اور اپنے دارالافتاء میں

عوامی مسائل پر بھی فتوے دیتا ہوں۔ میرے فتاویٰ کا مجموعہ "تفہیم المسائل" پانچ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے اور چھٹی جلد زیرِ طبع ہے۔ انٹرمیڈیٹ، بی۔اے، بی۔ایس۔سی، بی۔کام اور ایل ایل۔بی کی سطح پر بھی میری تصنیف کردہ نصابی کتب موجود ہیں اور الحمدللہ ان کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور اب موبائل ایک ناگزیر سہولت بھی اور ایک آفت بھی اور کال ریٹ سستا ہونے کی وجہ سے ایک قیامت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ چونکہ میرا نمبر بھی عام ہے اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے ہر ایک کے لئے رابطہ بھی آسان ہے اس لئے میرے لئے یکسوئی کے ساتھ کام کرنا کافی دشوار ہے۔

سوال: تنظیم المدارس کا کردار کیا ہے؟

جواب: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کو ہمارے بزرگوں نے قائم کیا۔ علمی میدان میں یہ ہماری وجاہت اور وقار کی علامت ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اس کا تعارف ہے اور دوسرے مسالک کی متوازی تنظیموں سے اعتبار و استناد (Credibility) میں ہمیں الحمدللہ کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا، اس کی اسناد کی حیثیت بھی دوسروں کے مساوی ہے۔ ہمارے رکن مدارس کی تعداد چھ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر تین سال بعد انتخابات ہوتے ہیں۔ رکن مدارس اپنی اپنی حیثیت میں مکمل طور پر خود مختار اور آزاد ہیں، صرف نصاب کے تعین، امتحانات کے انعقاد اور اس سے متعلق معاملات میں تنظیم کے پابند ہیں اور یہ پابندی اجباری (Obligatory) نہیں ہے بلکہ اختیاری (Optional) اور رضا کارانہ (Voluntarily) ہے۔ تمام اہل مدارس نے اپنی مسلکی وجاہت، علمی وقار اور جمعیت کو ثبات و دوام دینے کے لئے اسے قائم کیا ہے اور اس سے وابستگی کو قبول کیا ہے۔ اور الحمدللہ روزِ اوّل سے لے کر آج تک اس کی وحدت قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

خود احتسابی حقیقت پسند، اولوالعزم، حوصلہ مند اور جرأت مند لوگوں کا شعار ہوتا ہے

سوال: کیا آپ درسِ نظامی کے مروّجہ نصاب میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جواب: ہمارا بنیادی دینی نصاب غیر متبدّل (Unchangeable) ہے، کیونکہ قرآن و سنت کی حیثیت ابدی اور دائمی ہے، فقہ اور اصولِ فقہ کی اساس بھی تبدیل ہونے والی نہیں ہے، لیکن جس امر کا ادراک ہمارے لئے ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام دینِ دعوت (Missionary Religion) ہے اور اس عہد کے انسانوں تک دینِ حق کے پیغام کو پہنچانا اس امت پر فرضِ کفایہ (Community Obligation) ہے اور اس فریضے کو ادا کرنے کی ذمے داری علماءِ امت نے رضا کارانہ طور پر اپنے ذمے لی ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور ہم نے جو بھی رسول بھیجے، وہ اپنی قوم کی زبان بولنے والے تھے"۔

کیونکہ جب تک دین کا داعی اپنی مخاطب قوم کی زبان نہ سمجھے اس تک پیغامِ حق کا صحیح ابلاغ نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک اگر اس مفہوم کو وسعت دی جائے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ داعیِ دین نہ صرف یہ کہ اپنے مخاطبین کی زبان، روزمرہ اور محاورہ سمجھے بلکہ وہ ان کی ذہنی سطح (Intlegencia Level) کو نہ صرف یہ صحیح طور پر سمجھنے کی استعداد رکھتا ہو بلکہ اس عہدِ جدید کا الحاد (Atheism, Disbelief) اور کلّی اباحت (Total Permissibility) پر مبنی فلسفے کی استدلالی بنیاد کو بھی جانتا ہو اور اس کا عقلی استدلال پر مبنی اطمینان بخش جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور ان اصطلاحات (Terminology) سے بھی کماحقہٗ آگاہ ہو جو اس طرح کے علمی مکالمے (Dilogue) میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے لئے دورِ جدید کے فلسفے، نفسیات، معاشیات، سائنسی علوم اور کمپیوٹر سائنس کی

مبادیات سے آگاہی ضروری ہے۔ ابتدائی طور پر ہم نے میٹرک کی سطح تک انگلش، ریاضی، جنرل سائنس اور پاکستان کے تناظر میں مطالعہ پاکستان اور اردو کو اپنے نصاب میں شامل کیا ہے، اسے بتدریج آگے بڑھائیں گے۔ عربی اور انگلش کی اتنی استعداد آج کل عالمی تناظر میں اشد ضروری ہے کہ دین کا داعی اپنے مخاطب کی بات صحیح طور پر سمجھ سکے اور مافی الضمیر کا صحیح طور پر ابلاغ کر سکے۔ حال ہی میں ہم نے پاکستان کے چھ منتخب مدارس کے ذی استعداد فاضل نوجوان اساتذہ اور منتظمین کو ایک جدید ٹریننگ کورس کرایا ہے، جس میں ان کو یہ بتایا ہے کہ جدید دنیا دستیاب استعدادِ کار کو کس طرح مربوط کر کے بہتر طور پر استعمال کر سکتی ہے۔ اسے Capacity Building کہتے ہیں اور یہ کہ دستیاب استعدادِ کار کو مزید ارتقا کیسے دے سکتے ہیں، اسے Capacity Development کہتے ہیں اور یہ کہ جدید فلسفۂ تعلیم اور تعلیم نفسیات میں ایک کلاس میں مختلف ذہنی استعداد کے حامل طلبہ کو کلاس میں کس طرح ذہنی اور عملی طور پر متحرک کیا جائے کہ متوسط استعداد کا طالب علم اعلیٰ استعداد کی جانب ارتقا کرے اور کم تر استعداد کا حامل طالب علم متوسط سطح (Average Level) تک بلند ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن فھو احق بھا حیث وجدھا، ترجمہ: حکمت ودانش کی ہر بات مومن کی گم شدہ میراث ہے، تو وہ اسے جہاں بھی پائے (آگے بڑھ کر لے لے) کیونکہ وہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے"۔ لہٰذا اپنے عہد کے تمام جدید وسائل وذرائع اور معلومات سے استفادہ کرنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے اور اگر اس میں سے کوئی چیز اسلام اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے تو پوری قوتِ استدلال اور قوتِ ایمانی سے اسے رد کرنا چاہئے، لیکن کسی باطل کا مؤثر انداز میں رد کرنے کے لئے اس سے آگہی (Awareness) شرطِ اول ہے۔ اس کے لئے اکابرِ امت نے ایک بے ضرر سے ضابطہ بھی ہمیں دیا ہے کہ: خذ ما صفا ودع ما کدر، ترجمہ: "جو چیز (ایمان اور عمل کو) جلا بخشے اسے اختیار کرلو اور جو ان کے لئے نقصان دہ ہو اسے چھوڑ دو"۔

سوال: آپ کی ازدواجی زندگی؟ شادی کب ہوئی؟ اولاد کتنی ہے؟

جواب: میری شادی 1969ء میں ہوئی اور میرا ایک ہی بیٹا ہے۔

سوال: اپنی کچھ اہم تصنیفات سے آگاہ فرمائیں؟

1973ء کے دستور کی تدوین میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے مؤثر کردار ادا کیا

جواب: تفہیم المسائل (پانچ جلد مطبوعہ، ایک جلد زیرِ طبع)

☆ تفسیر سورۃ النساء ☆ اصولِ فقہ اسلام ☆ قانونِ شریعت

(یہ دونوں کتب ایل ایل۔ بی کے نصاب کے لئے ہیں)

☆ اسلامیات لازمی واختیاری (برائے بی۔اے۔ بی۔ایس سی، بی۔کام، بی۔ای) ☆ اسلامیات (برائے انٹرمیڈیٹ)

☆ متفرق مقالات کا مجموعہ زیرِ طبع ہے۔

سوال: پسندیدہ موسم، کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟

جواب: پسندیدہ موسم بہار کا ہے، جب ہر طرف سبزہ زار ہو، پھول مہک رہے ہوں، درخت پتوں اور پھلوں سے لدے ہوں، کھیت لہلہا رہے ہوں، ان چیزوں کو قرآن مجید میں بھی زینت سے تعبیر فرمایا ہے، لیکن اب میں مستقل طور پر کراچی کا باشندہ ہوں اور اس حوالے سے کراچی کے سارے ہی موسم یکساں ہیں اور وقت کا ہر وہ لمحہ اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے ذکر وفکر اور عبادت میں گزرے، جس میں قلب کو طمانیت نصیب ہو اور دنیوی تفکرات سے قدرے چھٹکارا ملے۔

غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اہلسنت وجماعت کی علمی وجاہت کی علامت تھے

سوال: زندگی کا خوبصورت دن؟

جواب: جب پہلی بار حرمِ کعبہ اور بارگاہِ مصطفوی ﷺ میں حاضری کی سعادت ملی اور مواجہۂ اقدس میں ادب واحترام سے کھڑے ہو کر اس کیفیتِ حضوری میں سرشار ہو کر اپنے آقا کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، جو کیفیت امام احمد رضا قادری محدث بریلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آدابِ زیارت کے لئے "انوار البشارۃ" میں بیان فرمائی ہے۔

سوال: قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں کون سا دورِ حکومت اچھا تھا؟

جواب: قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں کچھ عرصہ جو امن وامان سے گزرا، اشیاءِ ضرورت کے نرخ متوازن تھے، معیشت میں قدرے استحکام تھا اور پاکستان کی صنعت کی بنیاد قائم ہو چکی تھی اور روبہ ترقی تھی، وہ صدر محمد ایوب خان کا دورِ حکومت ہے، اس دور میں ایک بہت بڑا

معاشی منصوبے تربیلا ڈیم اور منگلا ڈیم بنے، جن سے آج تک پاکستان کو سستی بجلی بھی فراہم ہو رہی ہے اور زراعت کے لئے پانی بھی دستیاب ہے، مگر اس پر بھی کچھ لوگوں کو تحفظات ہیں کہ پاکستان بعض دریاؤں کے حق سے دستبردار ہوگا، مگر اگر یہ منصوبے بھی نہ بنے ہوتے اور پاکستان آج کی طرح اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہندوستان کی ظالمانہ تعدی کو روکنے کے قابل نہ ہوتا تو پھر ہماری صورتِ حال کیا ہوتی۔ لیکن جمہوریت اور جمہوری اقدار کے اعتبار سے بہت سے لوگ اس دور سے بھی شاکی ہیں۔

سوال: بار بار سمجھانے پر اگر کوئی نہ سمجھے یا نہ مانے تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: سنت رسول یہ ہے کہ انسان اپنی بساط کے مطابق اصلاح کا کام کرتا رہے اور اس کے لئے قرآن کے اسلوب دعوت کو اختیار کرے جو تین تدریجی مراحل پر مشتمل ہے یعنی حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدالِ احسن۔ قرآن وحدیث میں ایک اور اسلوب دعوت یہ ملتا ہے کہ اصلاحی پیغام کو وقتاً فوقتاً مختلف ترغیبی (Arousal of anintrest) اور ترہیبی (Threat of Punishment) انداز میں تکرار کے ساتھ پیغامِ حق کو دہرایا جائے، اگر پھر بھی کسی پر اثر مرتب نہ ہو تو بندہ صبر کرلے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کفار ومشرکین کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ خاطر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسکینِ خاطر کے لئے فرمایا: ترجمہ: ''اگر آپ خود راہِ حق پر ہیں تو کسی کی گمراہی آپ کو ضرور نہیں پہنچائے گی''۔ (۲) ترجمہ: ''آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (کہ جبراً راہِ حق کی طرف لے آئیں)''۔

دنیائے رضا ایک موقر جریدہ ہے اس کے مدیر اعلیٰ علامہ سید ریاض حسین شاہ عالم، پیر طریقت مایہ ناز خطیب، صاحب قلم اور حامیٔ اہل سنت کے ناظم اعلیٰ ہیں

سوال: بادل، بارش، دھوپ کیا اچھا لگتا ہے؟

جواب: موسم بارش کا اچھا لگتا ہے جب تک کہ وہ رحمت بن کر برسے اور زحمت کے درجے میں داخل نہ ہو، خنک موسم میں ہلکی دھوپ اچھی لگتی ہے، جو ستائے نہیں۔

سوال: بڑے بڑے بزرگ علماء ومشائخ میں کس کس کی زیارت کی؟

جواب: قطب مدینہ علامہ ضیاء الدین مدنی، محدثِ اعظم علامہ سردار احمد، شیخ التفسیر علامہ عبد الغفور ہزاروی، شیخ الاسلام علامہ قمر الدین سیالوی، علامہ علوی مالکی، علامہ یوسف الرفاعی، علامہ سید احمد ابو البرکات، علامہ عبد الحامد بدایونی، صاحبزادہ فیض الحسن آف آلومہار شریف، علامہ ابو النور محمد بشیر سیالکوٹی، غزالی زماں علامہ سید احمد سعیدی کاظمی، علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، علامہ پیر کرم شاہ الازہری، علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی وغیرهم من اکابر اهل السنة والجماعة رحمهم الله تعالیٰ وقدسهم الله اسرارهم ونور الله مراقدهم ومتعنا الله بفیوضهم اجمعین۔

سوال: کیا آپ کو کبھی سیاسی عہدہ کی پیشکش ہوئی؟

جواب: جنرل پرویز مشرف کے دور میں سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بنچ کی پیشکش اس وقت سیکریٹری لا منصور احمد صاحب نے اس شرط پر کہ حرمت ربٰو کے مقدمے میں حکومت کی مدد کی جائے، اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک انٹرویو کیا، لیکن میں نے معذرت کی۔ بعد ازاں جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی کو ان کے منصب سے معزول کر دیا گیا اور پھر گورنمنٹ نے خالد محمود اور رشید احمد جالندھری کو اس منصب پر فائز کیا اور انہوں نے حکومت کی مطلوبہ خدمت انجام دے دی اور امتناع سود کی منزل جو قوم نے قیامِ پاکستان کے بعد پچاس جدوجہد کے بعد حاصل کی تھی، قوم ہمیشہ کے لئے اس سعادت سے محروم ہوگئی، اب بظاہر اس منزل کے حصول کے آثار بہت کم ہیں۔ تاہم ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ مافوق الاسباب بھی کرم فرما لیتا ہے۔ علماءِ دیوبند میں سے یہ وہی خالد محمود ہیں جو برطانوی شہری ہیں، مانچسٹر میں مقیم ہیں اور ختمِ نبوت کے چیمپئن بنے پھرتے ہیں، لیکن سود، جسے قرآن نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ اور ماں کے ساتھ زنا سے بدتر قرار دیا ہے، آئینی اور قانونی طور پر ہمارے نظامِ معیشت میں اس کی ممانعت کلی کی منزل کو دور کرنے میں حکومت کے معاون بنے، مگر عجیب بات ہے کہ وہ اب بھی دیوبندی مکتبۂ فکر کے ہیرو ہیں، فیاللعجب۔

دینی مقاصد کی خاطر انٹرنیٹ سے استفادے کے لئے صحیح تربیت، اخلاقی پختگی اور دینی مزاج کا ہونا اشد ضروری ہے، ورنہ یہ دودھاری تلوار ہے

سوال: مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان کے سربراہ کی حیثیت میں کیا مشکلات ہیں؟

جواب: مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان کا کوئی بجٹ ہے، نہ ہی چیرمین سمیت اس کے ارکان کے لئے کوئی اعزازیہ یا مراعات ہیں، یہ ایک خالص رضا کارانہ دینی منصب ہے۔ موجودہ وزارتِ مذہبی امور نے اس کے ربیع الاوّل اور شعبان المعظم کے مرکزی اجلاس بھی ختم کردیئے ہیں۔ اس کے ماہانہ اور شعبان المعظم، رمضان المبارک، شوال المکرّم کے اہم اجلاس ہم کراچی میں محکمۂ موسمیات کے مرکزی دفتر میٹ کمپلیکس میں منعقد کرتے ہیں اور وہی اجلاس کے لئے سہولت فراہم کرتے ہیں اور اس کا اہتمام بھی میں نے ذاتی طور پر کیا ہے۔ 29 رمضان المبارک کو عید الفطر کے اجلاس کے موقع پر مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان اور زونل رویت ہلال کمیٹی کراچی کے ارکان سمیت الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کی رپورٹنگ ٹیموں ملا کر مجموعی طور پر تقریباً 250 افراد ہوجاتے ہیں۔ ان کے افطار اور عشائیے کا اہتمام بھی میں ذاتی طور پر سٹی گورنمنٹ کراچی کے ٹاؤن ناظم یا ایڈمنسٹریٹر سے درخواست کرکے کراتا رہا ہوں۔ جب بعض لوگ کسی صحیح معلومات حاصل کئے بغیر اپنے اخبارات میں، اپنے آرٹیکلز میں یہ لکھتے ہیں کہ رویت ہلال کمیٹی پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، تو مجھے ان کی حقائق سے ناواقفی اور غیر ذمے دارانہ رویے پر حیرت ہوتی ہے۔

میرے فتاویٰ کا مجموعہ ''تفہیم المسائل'' پانچ جلدوں میں طبع ہوچکا ہے اور چھٹی جلد زیرِ طبع ہے

سوال: چاند کے معاملے پر اختلاف رائے رکھنے والوں کے پاس کوئی شرعی دلیل ہے؟

جواب: چاند کے مسئلے پر پشاور، مردان، چارسدہ یا بنوں میں بعض مقامات پر جو اختلاف کیا جاتا ہے، وہ ان کی ہٹ دھرمی کا رویہ ہے جو قیامِ پاکستان یا اس سے بھی پہلے سے چلا آرہا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ موجودہ دور میں فرق یہ پڑا ہے کہ میڈیا کی یلغار ہے، ''بریکنگ نیوز''، Flash News، Just in کے عنوان سے ٹیلی ویژن چینلز میں مسابقت چل رہی ہے۔ اگر سترہ کروڑ ننانوے لاکھ پچانوے ہزار مسلمان ایک ساتھ عید منارہے ہوں، تو یہ ان کے لئے خبر نہیں ہے۔ ان کے لئے پانچ لاکھ یا کچھ ہزار کا الگ عید منانا خبر ہے اور یہ مرض تاحال لاعلاج ہے۔ انگریزی میں کہتے ہیں:

If dog bites a man, this is not a news, but if a man bites a dog this is a news

رویت ہلال کے حوالے سے میں متعدد مضامین لکھ چکا ہوں جو وقتاً فوقتاً قومی اخبارات و جرائد میں چھپتے رہے ہیں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے مؤقر جریدے میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگوں کی آگاہی کے لئے ان مضامین کو چھاپ سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں مزارات کی سجادگی کے لئے اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت، تشرّع اور تدیّن کا کوئی معیار نہیں ہے

سوال: ایک ہی دن روزہ رکھنے اور عید منانے کا کوئی فارمولا؟

جواب: ایک ہی دن میں مصنوعی طریقے سے روزہ اور عید منانے کا شوق ان لوگوں کے سروں پر سوار رہتا ہے، جو روزے اور عید کو محض قومی تہوار (Festival) سمجھتے ہیں تاکہ سب مل کر جشن منائیں۔ یہ عبادت ہے اور عبادت اپنی شرعی حدود و قیود اور شرائط کے مطابق ادا کی جاتی ہے۔ کچھ لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ایک دن پوری قوم ایک ساتھ منالے تو قومی وحدت قائم ہوجائے گی۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ ہم یومِ آزادی ایک ہی دن مناتے ہیں، کیا اس کے سبب ہم ایک قوم بن چکے ہیں اور تمام لسانی، صوبائی، علاقائی اور مسلکی اختلافات سے نجات حاصل کرچکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کی کلید سعودی عرب کے پاس ہے، اگر اس کے رویتِ ہلال کے اعلانات اور فیصلے درست ہوں تو کافی حد تک اختلافات کم ہوسکتے ہیں۔ یورپ اور امریکا میں مسلمانوں کی عید کا اختلاف ہمارے سبب نہیں سعودی عرب کے Unscientific فیصلوں کے سبب ہے، کیونکہ آج کل چاند کے بارے میں قطعی سائنسی معلومات تک Internet کے ذریعے ہر ایک کی رسائی ہے۔ تاہم بعض اوقات

ایسا ممکن ہوتا ہے کہ کافی ممالک میں رمضان المبارک کا آغاز اور عید الفطر ایک ساتھ ہو جائے۔ اس سال اگر سعودی عرب کے فیصلے صحیح ہوتے تو سائنسی اعتبار سے رمضان المبارک، شوال المکرم اور ذوالحجہ کا ایک ساتھ آغاز ممکن تھا، مگر افسوس اور صد افسوس ایسا نہ ہوا، کاش کہ کچھ لوگ سعودی حکومت کے متعلقہ اداروں کو معقولیت کی طرف لاسکیں۔ مفتی سید صابر حسین صاحب نے اس عنوان پر ایک مقالہ لکھا ہے کہ: ''سعودی عرب کے ساتھ عید کیوں نہیں؟''۔ یہ مقالہ ایک کتابچے کی صورت میں بھی مطبوعہ ہے اور میرے فتاویٰ کے مجموعے ''تفہیم المسائل، جلد: پنجم'' میں بھی شامل ہے۔

سوال: یہ جو اکابرین کو کوسنے کا رواج چل پڑا ہے، یہ اندازِ فکر ہمیں کہاں لے جائے گا کیا اس طرزِ عمل سے ہم مزید ٹکڑوں میں نہیں بٹیں گے؟

جواب: اکابرین کو کوسنے کا مطلب تو میں سمجھ نہیں پایا، تاہم جس طرح افراد کے لئے خود احتسابی (Self Accountability) ضروری ہے، اسی طرح ملتوں، امتوں، قوموں، مسالک، تنظیموں اور جماعتوں کے لئے بھی ایسا کرنا اشد ضروری ہے تاکہ اپنی کمزوریوں کا ادراک کر کے ان پر قابو پایا جائے اور اپنے زوال اور پستی کے اسباب کا صحیح تعین کر کے ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور مسابقت کے اس دور میں سربلندی، سرفرازی اور افتخار کے ساتھ اپنے طبقے کو لے کر چلا جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے، خوش فہمی اور خوابِ غفلت میں مبتلا رہیں گے تو اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑے گا۔ قرآن مجید بھی تاریخِ امم کے مطالعے کی حکمت یہی بتاتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ''اور آسمانوں اور زمینوں میں (درسِ عبرت کے لئے قدرت کی) کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں کہ لوگ (غور و فکر کیے بغیر) ان سے رخ پھیر کر گزر جاتے ہیں، (یوسف:105)''۔ خود احتسابی حقیقت پسند، اولوالعزم، حوصلہ مند اور جرأت مند لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔ اس سے خوف دروں (Internal Fear) میں مبتلا ہونا میرے نزدیک کم ہمتی کی دلیل ہے۔ یہ میری ناقص فہم ہے، اس سے اہلِ نظر کو اپنے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کا حق ہے۔ اہلِ عرب کا مقولہ ہے: وللناس فیما یعشقون مذاهب۔

سوال: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

جواب: شخصی نقصان (Deficiency) کو اپنی ذات تک کا محدود رکھنا چاہیے، غمِ جاں کو غمِ دوراں نہیں بنانا چاہیے، شاید ہی کوئی ایسا فرد یا افراد ہوں جو ہر جہت سے کامل و اکمل ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ اجتماعی مفاد کو ترجیح دینا چاہیے۔ میری تمنا ہے کہ کاش ہم عالمی تناظر میں امت کو غالب اور قیادت کے منصب پر فائز دیکھتے اور ملک کے داخلی تناظر میں ہم مسلکی اعتبار سے دوسروں کے مقابل مقامِ افتخار پر فائز ہوتے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔ سرِ دست تو ہمارا نظامِ مملکت و حکومت میں کوئی حصہ ہی نہیں، ایسا لگتا ہے کہ جہاں ہماری قوم کے اجتماعی فیصلے ہوتے ہیں ہم کہیں موجود ہی نہیں ہیں، سچ اور سامنے کی حقیقت تو یہی ہے، ہم شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند رکھ کر اپنے حال میں مست رہنا چاہیں تو۔ خود کردہ را علاجے نیست

سوال: دینی کام کے حوالے سے جن حضرات کو متحرک اور فعال دیکھا ان کے بارے میں کچھ آگاہ فرمائیں؟

جواب: میں نے اپنی شعوری زندگی میں تعلیم و تعلم کے میدان میں حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت مصروف دیکھا، تصنیف و تالیف کے میدان میں حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہم کا کام سب سے زیادہ، وقیع اور دیرپا ہے، اس کے بعد حضرت قبلہ پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کام کافی وقیع ہے۔ تدریس کے شعبے میں استاذ العلماء حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی کا کام بہت وقیع ہے۔ سیاست کے میدان میں قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت کی پہچان رہے ہیں۔ ماضی قریب کے ہمارے اکابر فقہاء میں حضرت قبلہ مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فقہی بصیرت اور گہرائی ملتی ہے اور اپنے عہد کے جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے جو ذہن رسا درکار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نوازا تھا، فقہی اعتبار سے وہ اختراعی (Innovative) ذہن کے مالک تھے اور ایک کامل فقیہ کی طرح اپنے عہد کے عرف اور تقاضوں کا انہیں کماحقہٗ ادراک تھا۔ محدثِ اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رحمہ اللہ کا پاکستان میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج میں نہایت نمایاں کردار ہے اور اس کے نقوش بڑے گہرے ہیں۔ غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت کی علمی وجاہت کی علامت تھے، ہمارا افتخار و وقار تھے اور ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے عہد میں ایک خطیبِ بے مثال تھے، اس کے ساتھ ساتھ ان کا علمی مقام بھی بہت بلند تھا۔ اردو خطابت میں، میں نے ابوالکلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا قادر الکلام خطیب نہیں دیکھا، یہ بات میں فنِ خطابت کے حوالے سے کر رہا ہوں، اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اپنے عہد کے سب سے جلیل القدر علماء کی صف میں تھے۔ ہمارے علماء میں علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ دو بار قومی اسمبلی کے ممبر رہے، حدیث میں انہیں ملکۂ تامہ حاصل تھا، لیکن سادگی سے

زندگی گزاری، ایسی مثالیں اب کم ملتی ہیں۔ چند اکابر کے ذکر سے کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ دوسروں کو عظمت کی نفی ہو رہی ہے، حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اسی لئے چند ناموں کا امتیاز کے ساتھ ذکر کرنا اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالنا ہے۔ سب ہی ہمارے اکابر تھے، سب اپنے اپنے شعبوں میں امتیازی شان اور فضیلت کے حامل تھے، سب ہمارے محسن اور مربی تھے اور ان سب کی تکریم ہم پر واجب ہے۔ کسی ایک یا چند کا ذکر کریں تو ''ترجیح بلا مرجح'' کا سوال سامنے آتا ہے۔

سوال: آپ کا دور طالب علمی علم اور تعلم کے حوالے سے بڑا زرخیز تھا، موجودہ دور کے طلبہ اور اساتذہ کو آپ کیسا دیکھتے ہیں؟

جواب: یہ بات درست ہے کہ اس وقت ہمارے اساتذہ کا جو تدریس و تحقیق میں کمال تھا اور علمی وجاہت تھی، بحیثیت مجموعی یہ دور اس سے نسبتاً کم تر ہے۔ اس وقت کے ہمارے اکابر اور اساتذہ کرام کا بڑا نام تھا۔ لیکن آج کے طالب علم کو بعض جہات سے جو سہولتیں حاصل ہیں، اس وقت یہ ناپید تھیں۔ مدارس میں قیام و طعام اور رہن سہن کا ماحول بھی کافی بہتر ہو گیا ہے اور ارتقاء کی جانب مائل ہے۔ آج کے طالب علم کو ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعے معلومات عامہ اور تحقیق کی جو سہولتیں حاصل ہیں، اس وقت اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ انٹرنیٹ ہر شعبے کی معلومات کے لئے ایک بحرِ ذخار بن چکا ہے۔ تاہم ہر چیز کے مثبت اور منفی پہلو ہوتے ہیں، اس تنوع (Diversity) اور کثیر الجہات (Multy Dimention) ماحول کا منفی پہلو یہ ہے کہ طلبہ میں وہ انہماک (Absorption) نہیں رہا۔ مثلاً طالب علم کو اگر انٹرنیٹ تک رسائی (Access) ہو تو وہ کہیں بھی بہک سکتا ہے اور بھٹک سکتا ہے اور اصل مشن سے منحرف ہو جاتا ہے۔ دینی مقاصد کی خاطر انٹرنیٹ سے استفادے کے لئے صحیح تربیت، اخلاقی پختگی اور دینی مزاج کا ہونا اشد ضروری ہے، ورنہ یہ دودھاری تلوار ہے۔

سوال: موجودہ ملکی اور عالمی حالات میں ہماری جدوجہد کا انداز کیا ہونا چاہئے؟

جواب: ہم مختلف شعبوں میں افرادی قوت کی کمی کا شکار ہیں، پھر نظریاتی تربیت کا فقدان رہا ہے، ہمارے لوگوں کو مشکل حالات کا مقابلہ کرنے اور مصائب کو سہارنے کا تجربہ نہیں ہے۔ ہمیں آج جس طبقے کا سامنا ہے وہ انتہائی اذیت پسند ہے اور مسلمانوں کو خلاف قتل کرنا ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس طبقے کے افراد خودکش حملے (Suicidal Attack) کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں انہیں خوفزدہ کرنا اور ان کی روش سے ہٹانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اور ان کے مربی حکومت میں شامل ہیں، ہیئتِ مقتدرہ (Establishment) میں موجود ہیں، حساس اداروں میں ان کی جڑیں بڑی گہری ہیں، ان کو مالی وسائل فراہم کرنے والے (Financer) ملک کے اندر اور بیرون ملک موجود ہیں۔ امریکہ سمیت مغربی ممالک سے بھی ان کے روابط رہے ہیں اور جہاد افغانستان کی طرح ان پر اسلحہ اور دولت کی برسات رہی ہے۔ اب وہ انتہائی مستحکم ہو چکے ہیں۔ جب تک ہم ماضی کی روش سے ہٹ کر نظریاتی تربیت کا نظم قائم نہیں کریں گے، حالات کا مقابلہ کرنا ہمارے لئے دشوار ہوگا۔ میں گزشتہ ایک عشرے سے اہل سنت و جماعت کو ملک کے اندر اور بیرون ملک اس جانب متوجہ کر رہا ہوں کہ بعض امور کا جواز اور استحباب اپنی جگہ، لیکن اپنے عہد کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ترجیحات کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے فقہ الترجیحات پر ایک باقاعدہ مقالہ لکھا ہے۔ آج جس طبقے کا ہمیں سامنا ہے اس کی طاقت کا مرکز مساجد و مدارس اور دینی افرادی قوت ہے، جبکہ اہل سنت کے ہاں ترجیحات اور اموال خیر کے مصارف کی ترجیحاتی فہرست میں مدارس و مساجد اور دینی لٹریچر سب سے آخر میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ میں صدقاتِ جاریہ کو ترجیح عطا فرمائی تھی، جن کے اثرات اور فیضان دیرپا ہوں، ہماری ترجیح اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے ایصال ثواب، اعراس مبارکہ، گیارہویں شریف اور میلاد النبی ﷺ کے اجتماعات کے ساتھ لنگر لازم و ملزوم ہے اور بیرون ملک تو لنگر کے بغیر ان اجتماعات کا تصور ہی نہیں ہے، نتیجہ سب کے سامنے ہے، نوشتۂ دیوار ہے، جس کی نگاہ بصیرت کھلی ہو وہ پڑھ بھی سکتا ہے۔

آج کل آپ کی آواز میں وزن تب ہے جب آپ کے پاس منظم سیاسی قوت ہو اور منتخب نمائندہ اداروں میں آپ کا قابل اعتبار (Sizeable) وجود ہو، ورنہ حکمرانوں کی پہلی ترجیح اپنے اقتدار کی بقاء، استحکام اور تحفظ ہے اور یہ منتخب اداروں میں نمائندگی کا مرہون منت ہے، حق اور باطل اہل اقتدار کے سیاسی نظریات میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

سوال: مزارات کے خلاف جو مہم چل رہی ہے اس پر آپ کی رائے؟

جواب: مزارات کے بارے میں سلفی اور پاکستان میں ان کے ہم خیال لوگوں کے نظریات سب کو معلوم ہیں۔ اب رحم کوئی نہیں کھاتا، آپ کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ کے ساتھ ساتھ اپنی قوت ایمانی اور وسائل پر اپنی جگہ بنانی ہوگی۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دوسروں پر انحصار مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس وقت مزاراتِ مقدسہ کو ایک جاگیر اور مالی منافع سمیٹنے کا

مرکز بنا دیا گیا ہے۔ ان مقاصدِ جلیلہ کا کوئی کام بیشتر مزارات پر نہیں ہور ہا جو صاحب مزار کی حیاتِ مبارکہ کا مشن تھے، نہ ہی ان مزارات پر دینی تعلیم و تربیت کے مراکز اور جامعات ہیں۔ اگر یہ مزارات دینی تعلیم و تربیت کا مرکز ہوتے، یہاں بڑی بڑی دینی جامعات ہوتیں تو یہ اپنے تحفظ اور دفاع میں بھی خود کفیل ہوتے۔ پھر ہمارے ہاں مزارات کی سجاوگی کے لئے اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت، تشرّع اور تدیّن کا کوئی معیار نہیں ہے۔ بہت سے مزارات کے سجادہ گان آج اقتدار کے ایوانوں میں ہیں، انہوں نے تحفظِ نسواں ایکٹ بنانے میں آمرِ وقت کی مدد کی اور آج قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ میں ترمیم کی کوشش کے وقت یہ لوگ مہر بلب ہیں۔ ان کی زبانیں گنگ ہیں، ان کی حمیّتِ ایمانی سرد پڑ چکی ہے، جس نام اور نسبت کا کھاتے ہیں اور جس کی بدولت یہ مناصبِ اقتدار پر پہنچے ہیں اور ان کے عشرت کدے آباد ہیں، اسی نام اور نسبت سے وفا نہیں کرتے اور ہمارے سادہ لوح اہلسنت یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ان کی انگلی پکڑ جنت میں لے جائیں گے۔ ہمارے لوگ اپنی دنیا کے کاموں کے لئے بڑے ہوشیار ہیں، معیار کو دیکھتے ہیں، مفاد کو سمجھتے ہیں، لیکن دینی مفاد کے لئے ان کی عقل و بصیرت ماند اور فہم و دانش ماند پڑ جاتی ہے۔

سوال: خودکش دھماکے کرنے والے کیا آج کے دور کے خوارج ہیں؟

جواب: یقیناً ایسا ہی ہے، ان لوگوں کے طریقے (Mechanism) اور عنوانات مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن بنیادی روح وہی کار فرما ہے کہ جو ان کے نظریات کا حامی نہ ہو یا مخالف ہو وہ واجب القتل ہے۔

سوال: دلیلِ راہ کے قارئین کے لئے کوئی نصیحت؟

جواب: میں نے سطورِ بالا میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہی میری نصیحت ہے، پیغام ہے، اہلسنت و جماعت سے التجا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ سے استغاثہ ہے کہ ہم پر نگاہِ کرم بھی ہو اور ہم میں عہدِ حاضر کے تقاضوں اور ترجیحات کو سمجھنے اور اپنے لئے مقامِ افتخار بنانے کا صحیح شعور بھی پیدا ہو۔

☆☆☆

’’اسلامی نظریاتی کونسل‘‘
یا
’’سیاسی سودابازی کونسل‘‘؟

راجہ آصف علی خان

وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے مولانا فضل الرحمان کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر عید کی بجائے اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمینی ان کی جماعت پر قربان کرنے کی بشارت دی اور فرمایا کہ مولانا محمد خان شیرانی کو چیئرمین مقرر کر دیا گیا ہے، حالانکہ اس منصب جلیلہ پر میرٹ کی بنیاد پر کسی معروف و ممتاز مذہبی سکالر کا انتخاب چاہیئے تھا، نہ کہ کسی متنازعہ سیاسی عہدیدار کو مسلط کرنا وسیع تر قومی مفادات کے مطابق تھا، لیکن اس غلط فیصلہ پر وزیراعظم اور مولانا فضل الرحمان کی خوشی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک قواعد وضوابط اور مسلمہ اصولوں کی قربانی دینی پڑے تو دے دو لیکن اپنا فائدہ حاصل کر کے رہو۔

بہر حال جو بھی ہوا، اچھا نہیں ہوا۔ بدیں وجوہ پاکستان پیپلز پارٹی، اس کی دیگر اتحادی سیاسی جماعتوں، اکثر مذہبی جماعتوں، اقلیتوں، سیکورٹی فورسز، امن و امان کے ذمہ دار اداروں اور بالخصوص محب وطن و پر امن تمام پاکستانیوں کی سخت دلآزاری ہوئی ہے اور وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک شدت پسندی کے قلع قمع کرنے کے حوالے سے مولانا فضل الرحمان کی چیئرمین شپ کشمیر کمیٹی کے اعتراضات تھے اور انہیں مع ان کے ساتھی ہم جماعت وزراء کو سیکورٹی رسک تک کہا جاتا تھا۔

اب مذکورہ بالا تمام طبقات و شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے ایک اور سیکورٹی رسک مولانا محمد خان شیرانی کی بطور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل تقرری پر کیسے مطمئن رہ سکتے ہیں۔ ستم بالائے ستم مولانا موصوف کا یہ دعویٰ کہ حکومت نے تو ان کی چیئرمینی کے ساتھ ان کی جماعت کے مزید آٹھ افراد کو اس کونسل کا ممبر مقرر کرنے کا وعدہ بھی چند ماہ سے کر رکھا ہے۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا'' تو بیس رکنی کونسل میں 9۔ جمعیت علما اسلام (ف) کے رکن ہو گئے اور ان کے ہم خیال و ہم عقیدہ جو پہلے ہی وہاں موجود ہیں۔ واضح عددی برتری کے زور پر جو من میں آئے بلا روک ٹوک کر گزریں گے۔ یہ کونسل ایک طرح سے ان لوگوں کی بے دام لونڈی قرار پائے گی، جو دیگر تمام مذہبی مکاتب فکر کے کروڑہا مسلمانوں کو اختلاف عقائد کی وجہ سے دائرہ اسلام میں صحیح طور پر داخل ہی نہیں سمجھتے۔

علاوہ ازیں یہ بھی کہ جن کے اکثر بزرگ اور رہنما اکھنڈ بھارت، ہندو مسلم بھائی بھائی کے علمبردار تھے اور قیام پاکستان، بانی پاکستان رحمۃ اللہ علیہ، ان کے ساتھیوں اور جماعت کے گاندھی اور نہرو کی طرح دشمن بھی تھے اور بقول خود پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل تک نہیں تھے۔

''پھر ہٹ دھرمی، بے مروتی اور دیدہ دلیری کی اب بھی یہ انتہا کہ 2007ء میں صوبہ سرحد میں جب صدر پرویز مشرف کی چھتری کے زیر سایہ ایم ایم اے کی حکومت تھی تو ایک میٹنگ منعقدہ لاہور میں ''ہمارے ہیروز'' کے زیر عنوان کسی یادگار تقریب کے لئے نام تجویز کرنے کے دوران ایک رکن نے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کا نام شامل فہرست کرنے کا مخلصانہ مشورہ دیا تو موجودہ کشمیر پارلیمانی کمیٹی کے چیئرمین اور جمعیت علماء اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمان سیخ پا ہو گئے اور اظہار باطن کرتے ہوئے 9-2-2007 کو فتویٰ صادر کیا کہ ''محمد علی جناح کو ہم اپنے ہیروز میں شمار نہیں کریں گے، وہ ہمارے قومی ہیرو نہیں ہیں''۔ (نوائے وقت: 2 تا 4 مئی 2007)

سامعین گرامی! مولانا موصوف کے مذکورہ بالا ایک ناروا جملے سے ہر ذی شعور انسان پر واضح ہو جاتا ہے کہ جن کے ہیرو بانی پاکستان، بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نہیں، ان کے ہیروز گاندھی، نہرو اور نیشنلسٹ علماء یعنی پاکستان اور بانی پاکستان کے دشمن لیڈر ہیں۔

برسبیل تذکرہ نیشنلسٹ کانگریسی جمعیت علماء اسلام ہند کی بات چل نکلی تو بقول معروف کالم نگار صحافی ہارون رشید ''مولانا محمد خان شیرانی سے منسوب ہے کہ وہ جمعیت علماء (اسلام) پاکستان کے نہیں بلکہ جمعیت علماء (اسلام) ہند کے ممبر ہیں''۔

مذکورہ بیان درست ہونے کی صورت میں مولانا موصوف کو بھارت کی کسی کونسل کی چیئرمینی دلوانے کے لئے وزیراعظم پاکستان کو کوشش کرنی چاہیئے تھی، لیکن انہوں نے الٹی سیاسی، مذہبی گنگا بہا کر انہیں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین مقرر کر کے پاکستان بنانے اور اب اسے بچانے والے تمام عوام وخواص کی قربانیوں کا مذاق اڑایا ہے، لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اپنی غلطی تسلیم کر کے محب وطن پاکستانیوں سے معذرت کرتے ہوئے مذکورہ نوٹیفکیشن کو واپس لے لیں ورنہ جس اتحادی حکومت کو بچانے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے ہیں، اس کی کمزور جڑیں مزید کمزور ہوتی چلی جائیں گی اور مولانا فضل الرحمان جن پر بھروسہ کیا جا رہا ہے، وہ کمزور حکومت کے سائے سے یک دم دور جا کھڑے ہونے کے دیرینہ ماہر ہیں۔

حضرات گرامی! اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان انتہائی اہم اور عامیانہ مفاد پرستانہ سیاست سے مبرا ادارہ رہنا چاہیئے۔ یہ کونسل صدر جنرل (ریٹائرڈ) محمد ایوب خان کے دور میں 1962ء کو تشکیل دی گئی، لیکن ذاتی پسند یا ناپسند کے باوجود اتنا خیال ضرور رکھا گیا۔ 1962ء سے لے کر 17۔ نومبر 2010ء تک ایک چیئرمین بھی ایسا مقرر نہیں کیا گیا جس کا موازنہ مولانا محمد خان شیرانی سے کیا جا سکے، لہٰذا موصوف کی اہلیت و قابلیت کا ذکر آخر میں کیا جائے گا۔ پہلے ان قابل، اہل اور صاحبان علم و دانش حضرات کے نام مع مدت عہدہ سے آگاہی یا یاد دہانی

کے لئے چند سطور پیش خدمت ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ مولانا موصوف کا تقرر میرٹ کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض سیاسی مجبوری کی وجہ سے ہوا ہے اور یہی غیر مناسب فیصلے حکومتوں، قوموں اور اداروں کو تباہ کرتے ہیں۔

قارئین گرامی! موجودہ تازہ تقرر سے پہلے درج ذیل گیارہ چیئرمین حضرات منتخب کیے گئے جن کے لیول کا ناموں سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔

1۔ جسٹس ابوصالح محمد اکرم 1962 تا 1964ء
2۔ پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی 1964 تا 1973ء
3۔ جسٹس حمودالرحمان 1973 تا 1977ء
4۔ جسٹس محمد افضل چیمہ 1977 تا 1980ء
5۔ جسٹس تنزیل الرحمان 1980 تا 1984ء
6۔ جسٹس اے ڈبلیو جے ہالیپوتہ 1986 تا 1989ء
7۔ جسٹس محمد حلیم 1990 تا 1993ء
8۔ مولانا کوثر نیازی سابق وفاقی وزیر مذہبی امور 1993 تا 1994ء
9۔ اقبال احمد خان 1994 تا 1997ء
10۔ پروفیسر ڈاکٹر ایس ایم زمان 1997 تا 2003ء
11۔ ڈاکٹر خالد مسعود 2004 تا 2010ء چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل رہے۔

بعد ازاں 14۔جون 2010ء سے 17۔نومبر 2010ء تک چیئرمین کے بغیر ہی کام چلتا رہا۔ بہر حال مذکورہ بالا گیارہ تقرریوں میں کسی حد تک سیاسی اثر و رسوخ بھی در پردہ ضرور استعمال ہوا لیکن مذکورہ بالا ممتاز و معروف مسلمہ صاحبان علم و فن کی اہلیت، قابلیت اور علمیت کا اعتراف مسلکی و فقہی اختلافات کے باوجود ہر سطح پر کیا جاتا رہا اور انہوں نے بڑی دانشمندی، حکمت اور بردباری سے جہاں تک ممکن تھا اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دینے کی سعی ضرور کی لیکن جس طرح اتحادی حکومت بنانے اور پھر مولانا فضل الرحمان کو مزید ساتھ چلانے کے لئے خالص اور اعلانیہ سودا بازی کے تحت مولانا محمد خان شیرانی کو چیئرمین بنایا گیا ہے ایسا کسی بھی حکومت نے نہیں کیا، تاکہ اس اہم ترین ادارہ کی افادیت ہی کہیں سرے سے ختم نہ ہو جائے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر اس ادارہ کی رکنیت میں بھی عددی توازن رکھا جاتا رہا کہ کوئی ایک گروہ یا مکتب فکر دوسروں کی دل آزاری یا حق تلفی کا ارتکاب نہ کر پائے، لیکن اس بار مولانا فضل الرحمان کو خوش اور ساتھ رکھنے کے لئے تمام قواعد و ضوابط اور اصولوں و طریقہ کار سے مکمل سر عام انحراف کیا گیا ہے۔ جس کا خمیازہ بھی وفاقی حکومت ہی بھگتے گی، لیکن اس کا بہت بڑا نقصان پوری قوم خواہ مخواہ برداشت کرے گی۔

بدیں وجوہ اس نامناسب و مشکوک تقرری کی منسوخی کی جدوجہد میں وہ حق بجانب ہے، لہٰذا صدر، وزیر اعظم نیز مذہبی، داخلہ، خارجہ اور اقلیتی امور کے وزراء کو بھی چاہیئے کہ وہ اس چیئرمینی کے اندرون و بیرون ملک مابعد مضر اثرات کا ٹھنڈے دل و دماغ سے حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر دور رس قومی مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا یہ فیصلہ واپس لے کر نیا چیئرمین میرٹ اور قابلیت کے مطابق مقرر کر کے اس نئے بحران کو بروقت ختم کریں اور اس کار خیر میں اطمینان قلب کے لئے درج ذیل حقائق پڑھ لیں۔ خود بخود تسلی ہو جائے گی۔ واقعہ یوں ہے کہ!

''اسلام آباد میں اے پی ڈی ایم (APDM) کے اجلاس میں جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمان گروپ) کے مولوی محمد خان شیرانی نے پاکستان کے قیام کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ استقلال پارٹی کے صدر منظور حسین گیلانی نے مولانا شیرانی کو ٹوکا کہ وہ اے پی ڈی ایم کے پلیٹ فارم سے پاکستان کے خلاف بات نہ کریں۔ بیشتر لیڈروں نے مولانا شیرانی کے ریمارکس پر بولنا شروع کر دیا۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ مولوی موصوف (وہاں سے) جانے لگے، جس پر راجہ ظفر الحق نے کہا کہ مولانا آپ نے تو اپنی بات کر لی، اب دوسروں کی بھی سن لیں، تاہم وہ کھانے کے وقفے کے دوران اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے اور انہوں نے اے پی ڈی ایم کے اجلاس سے اعلان لاتعلقی کر دیا''۔

(روزنامہ نوائے وقت: 20 نومبر 2007ء)

مذکورہ صورت حال کے بعد جن کو پاکستان میں رہنے یا پاکستانی کہلوانے کا حق نہیں، انہیں تین سال بعد 17۔نومبر 2010ء کو پاکستان ہی کی اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین نامزد کر کے وزیر اعظم پاکستان گیلانی صاحب۔ مولانا فضل الرحمان کو فون پر مبارکباد دے کر ان سے کیا گیا ایک وعدہ پورا کرنے کی نوید سنا رہے ہیں، اسے کہتے ہیں کمال کی ایک نہیں ساری ٹانگیں توڑ دینا، مگر افسوس کہ!

کوئی صریرِ خامہ نہ نعرہ نہ احتجاج
میرے وطن کے گویا قلم کار مر گئے
جاں بر ہوئے تھے یورشِ شب سے ستم زدہ
لیکن جو دیکھا صبح کا اخبار مر گئے

حضرات گرامی! پرنٹ میڈیا کی طرح ذرا ذرا سی بات پر طوفان اٹھا دینے کا ماہر الیکٹرانک میڈیا مولانا محمد خان شیرانی کے مذکورہ بالا پاکستان مخالف ریمارکس کے باوجود، ان کی چیئر مین شپ اسلامی نظریاتی کونسل پر تسلط کے باوجود چپ سادھے ہوئے ہے۔ کیا قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور پاکستان کے احسانات کا بدلہ یہی ہے؟ تف ہے ایسی خاموشی، بے حسی اور منافقت پر' اور کیا اعلیٰ و آزاد عدلیہ کا مذکورہ بالا تعیناتی کے خلاف سوموٹو ایکشن بھی نہیں بنتا۔ کیا فرماتے ہیں ماہرین قانون و آئین بیچ اس اجتماعی قومی مسئلہ کے؟ یا وہ بھی روزہ چپ جاری رکھیں گے؟ چند دنوں میں خاموشی نہ ٹوٹی تو ان کی قلعی بھی کھل جائے گی۔

"اب بھی کوئی کسر باقی ہے۔ تو ہماری نہ مانیئے لیکن معروف کالم نگار تبصرہ نگار ہارون الرشید کی تو سن لیجئے۔ وہ تو ہمارے علم کے مطابق سواد اعظم پاکستان اہل سنت و جماعت بریلوی مکتب فکر سے وابستہ نہیں۔" وہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت مورخہ 29۔ جون 2010ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کوئٹہ کے دوستوں سے رابطہ کیا کہ مولانا محمد خان شیرانی کا کوئی اور ہنر بتایئے کیونکہ تحقیق کی فرصت نہیں اور بلوچستان کے اخبار نویس رائے دینے کے لئے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ ہارون الرشید لکھتے ہیں مگر جو کچھ معلوم ہو سکا۔ وہ حیران کن ہے۔ یہ کہ امریکی مسخرے جنرل پرویز مشرف کے ساتھ مولانا (محمد خان) شیرانی کے مراسم خوشگوار تھے اور مسلسل برقرار ہیں۔ جمعیت علماء اسلام بلوچستان پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ وہ ذرا سا اختلاف کرنے والے کے بھی شاکی ہوتے ہیں۔ نظریاتی گروپ (جمعیت علماء اسلام) ان کے اسی طرز عمل کی پیداوار ہے اور حافظ حسین احمد کی دربدری کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ یہ نظریاتی گروپ اتنا موثر ہے کہ اس نے اسمبلی کی ایک نشست بھی جیت لی تھی۔ یہ (گروپ) الزام عائد کرتا ہے کہ 2001ء میں افغانستان پر امریکی حملے کے ہنگامہ میں بڑے پیمانے پر جو چندہ جمع کیا گیا تھا اس کا حساب و کتاب بھی موجود نہیں (بلکہ) بعض تو برملا غبن کی بات بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اصرار ہے کہ مولانا محمد خان شیرانی کی تعلیم بھی ادھوری رہی۔ درس نظامی کا امتحان پاس نہ کیا تھا اور ڈیرہ اسماعیل خاں سے حاصل کی جانے والی ان کی ڈگری جعلی ہے۔ جو 2002ء کے الیکشن کی خاطر حاصل کی گئی تھی۔ مولانا شیرانی اپنے نظریات میں سخت گیر ہیں۔ ان سے منسوب ہے کہ میں جمعیت علماء (اسلام) پاکستان کا نہیں بلکہ جمعیت علماء (اسلام) ہند کا ممبر ہوں۔ مولانا فضل الرحمان امیر جماعت بھی صوبائی شاخ پر حضرت صاحب (مولانا شیرانی) کی گرفت سے نالاں ہوتے ہیں، لیکن ان ہی پر انحصار کرنا بھی ان کی مجبوری ہے"۔ بعنوان، درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری، مورخہ (19۔ جون 2001ء روزنامہ جنگ راولپنڈی)۔

مذکورہ بالا تعارف مولانا شیرانی اس مد سے لکھا گیا کہ اس وقت ان کو چیئر مین اسلامی نظریاتی کونسل بنانے کا پیغام ملا، جب دفن شدہ ایم ایم اے (متحدہ مجلس عمل) کو مذموم مقاصد کے لئے دوبارہ زندہ کرنے کی ناکام و نامراد حسرت پوری کرنے کی جسارت کی جارہی تھی۔

اس اجلاس میں متفرقین کی روداد بھی ہارون رشید کی قلمی اس طرح ہے کہ متحدہ مجلس عمل کی تشکیل نو کی مہم جاری تھی اور مولانا فضل الرحمان سے زیادہ قاضی حسین احمد (سابق امیر جماعت اسلامی) بے چین تھے اور ادھر یہ خبر آئی کہ معاملہ طے پا گیا ہے۔ مولانا محمد خان شیرانی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین بنائے جارہے ہیں۔ (آگے پانچ سطروں میں پہلے چیئر مین ڈاکٹر خالد مسعود کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں کہ)

"اس سے بھی تعجب خیز (بات) یہ کہ علماء کرام کی صفوں سے احتجاج کی کوئی آواز نہیں اٹھی۔ چیخ و پکار ہوئی بھی تو این جی اوز کی طرف سے کشور ناہید اور طاہرہ عبداللہ نے واویلا کیا کہ پیپلز پارٹی کی روشن خیالی کتنا غضب ڈھاتی ہے"۔

آگے لکھتے ہیں کہ:

اگرچہ ترقی پسندوں کی اپنی وجوہات ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان کے بعض اعتراضات بالکل درست ہیں، آخر ایک خاص مذہبی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ایک انتہا پسند کا (ہی) انتخاب کیوں ہے؟ مگر حیرت اس پر ہوئی کہ مذہبی لوگوں میں سے کسی کو اظہار حق کی توفیق نہ ہوئی۔

کامل اس طبقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے بھی تو یہ رندان قدح خوار ہوئے

حضرات محترم!

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی اور ان کی جماعت کے سربراہ مولانا فضل الرحمان میں بالفرض محال مذکورہ بالا کوئی ایک خامی بھی نہ ہو، بلکہ فرشتہ صفت اور بہت بڑے، سب سے بڑے عالم، فقیہ، مفتی اور بے بدل مذہبی سکالر بھی ہوں، چاہے ساری حکومت بھی ان کے گن گاتی پھرے، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا بھی ان کی پاک دامنی کی من مانی تشہیر کرے۔ جو چاہے ان کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا پھرے، لیکن اول الذکر کا اے پی ڈی ایم کے بھرے اجلاس میں قیام پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا اور ٹوکنے پر اس قدر بغض وعناد کہ متذکرہ اجلاس سے واک آؤٹ کے بعد اس سے اعلان لاتعلقی کر دینا اور ثانی الذکر کا لاہور کے پارٹی اجلاس میں بلا خوف وخطر 9-2-2007 کو یہ کہہ دینا کہ محمد علی جناح کو ہم اپنے ہیروز میں شمار نہیں کرتے، وہ ہمارے قومی ہیرو نہیں ہیں۔ دو ایسے سنگین جرم ہیں، جو ان کی دونوں چیئرمینیوں یعنی کشمیر کی پارلیمانی کمیٹی اور حالیہ اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان سے نااہلی کا ناقابل تردید ثبوت ہیں، لہٰذا قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان کے حکمرانوں اور تمام بااختیار اداروں کے سربراہوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ انہیں اہم مناصب سے علیحدہ کر کے پاکستان بنانے والوں کی روحوں کو خوش کریں اور ان کے وارث پاکستان بچانے والوں کو ایسے تمام اہم ترین اداروں کے سربراہ بنا کر اپنے حلف وفاداری کی مکمل پاسداری کریں۔ اسی میں سب کی بقا کی ضمانت ہے۔

☆☆☆

حسنِ طعام

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ

طعام اور زندگی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کھانے کے بغیر زندگی مشکل اور زندگی کے بغیر طعام ناممکن ہے۔ زندہ رہنے کے لئے کھانا انسانیت کے شرف کی علامت بھی ہے اور ضرورت بھی اور کھانے کے لئے زندہ رہنا تخلیق انسانیت کے مقاصد کو فراموش کرنا ہے۔ زندگی کے لئے طعام کی ضرورت و اہمیت، اوقات و مقدار کو سنت مطہرہ کے مطابق اپنانا مسلمان کا شیوہ ہے، اس لئے کہ حیات انسانی اسوہ رسول سے پیوستہ رہنے سے باوقار ہوتی ہے اور مومن اپنے صباو مسا کو سنت بیضا سے ہی روشن کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ جان کائنات ﷺ نے عموماً شکم سیری سے پرہیز فرمایا ہے۔ پیٹ بھر کے کھانا طبیعت میں سستی اور غفلت پیدا کرتا ہے۔ عبادت میں خشوع و خضوع کو معدوم کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دنیا میں شکم سیر لوگ، آخرت میں بھوک والے ہیں۔ مسلم کی روایت کے مطابق ایک موقع پر ایک انصاری نے بکری ذبح کی تو حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو شکم سیر ہو کر تناول کیا۔ جان کائنات کا عمومی عمل یہی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کھانا کم تناول فرماتے کبھی کبھار شکم سیری فرما لیتے۔ شکم سیری سے مراد بھی اس طرح ہے کہ پیٹ کا ایک حصہ کھانا، ایک حصہ پانی اور ایک حصہ ہوا کے لئے رکھتے۔ اسی انداز کو مدنظر رکھنا ہی سنت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ کیا اس کو چھوہارے دیئے اس نے بہت زیادہ کھائے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بہت زیادہ کھانا نحوست (شوم) ہے اور اس کی واپسی کا حکم دیا۔ یعنی زیادہ کھانے کی وجہ سے نحوست ہوتی ہے اور نحوست کا قرب ناپسندیدہ ہے۔ حدیث میں ایک کا کھانا دو، دو کا چار اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہونے کی حکمت کو بھی اسی تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فقر کو فخر جانا اور مساکین کے زمرے میں اٹھنے کے لئے دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ نے اپنی حیات نور میں اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مال و دولت، طعام و شروبات کو اپنے پاس جمع نہ ہونے دیا۔ ہمیشہ ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم فرمایا۔

مولانا محبوب عالم سوہاوی فرماتے ہیں:

نبی دے گھر جے ہووے درم و دینا
کہے گھر تھیں نکالو جھب ایہہ مردار
میتوں نا اسدی گندی بو سماوے
اوسے ویلے فقیراں نو دیواوے

کل جہاں ملک لیکن اطوار فقر کو اپناتے ہوئے پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے۔ کئی کئی دن قلیل طعام پر ہی اکتفا فرماتے۔ ایک ہی دن میں دو قسم کے کھانے سیر ہو کر تناول نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کے قلیل طعام کی حکمت یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں تو رات اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے! رات رب کے ہاں بندگی، عبادت، اور اسی کے ہاں سے کھانا پینا اور دن کو پیٹ پر پتھر بھی باندھے۔

عمر ساری گذاری وچ عبادت
پتھر پیٹے بنھ فاقے دی حالت

سنت نبوی کو اپناتے ہوئے تھوڑا کھانا ہی مسلمان کی شان ہے۔ آپ ﷺ نے قلیل طعام کو اختیار کرنے کے لئے ایسے بھی رغبت دلائی ہے کہ مومن ایک آنت سے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اور کافر کی آنتوں کی تعداد میں فرق ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان غفلت و سستی سے بچنے اور عبادت میں شوق و رغبت کے لئے قلیل طعام کو پسند کرتا ہے، جب کہ کافر خوب کھاتا ہے اس لئے کہ حالت کفر میں انسان عبادت و ریاضت کی رغبت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کافر جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بکری کا دودھ پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس نے پیا تو آپ نے دوسری بکری کا دودھ بھی پیش کرنے کا حکم دیا اس نے وہ بھی نوش کر لیا حتی کہ سات بکریوں کا دودھ اس نے نوش کیا۔ اس نے رات وہی قیام کیا۔ صبح اسلام قبول کیا۔ تو پھر بکری کا دودھ پیش کیا تو اس نے صرف ایک ہی بکری کا دودھ پینے پر اکتفا کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

المومن یشرب فی معا واحد والکافر یشرب فی سبعة امعاء

''مومن ایک آنت سے پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے''۔

اس سے مراد تھوڑا کھانے، پینے سے ہے۔ مومن تھوڑا کھا کر سنت کو ادا کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے کھانا تھوڑا کھایا لیکن جو چیزیں

تناول فرمائی ہیں۔ وہ نفیس اور عمدہ چیزیں استعمال فرمائی۔ آپ دودھ نوش بھی فرماتے اور مہمانوں کو بھی پیش فرماتے۔ آپ نے دودھ کو فطرت قرار دیا۔ کوئی دودھ پیش کرے تو اس کو قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

طعام نبی کے حوالے سے شمائل میں مختلف چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ جن چیزوں کو آپ پسند فرماتے اس کا اظہار بھی فرماتے۔ گوشت کو آپ نے پسند بھی فرمایا اور اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی۔ آپ نے گوشت (لحم) کو کھانے کا سردار فرمایا۔ لحم جنتیوں کے لئے دنیا و آخرت میں کھانوں کا سردار ہے۔ امام شافعی نے عقل بڑھانے کے لئے گوشت کو مفید قرار دیا۔ گوشت میں بکری کی دستی کو آپ شوق سے تناول فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ آپ کے لئے دستی کو بھون کر پیش کرنے کا اہتمام فرماتے۔ ام سلمہ نے بھی ایک موقع پر بکری کی دستی بھون کر آپ کو پیش کی۔ ابوعبیدہ ؓ نے آپ ﷺ کے لئے ہانڈی پکائی۔ آپ کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لئے ابوعبیدہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے بونگ آپ کو پیش کی۔ آپ ﷺ نے دوسری طلب فرمائی۔ میں نے دوسری پیش کی۔ آپ ﷺ نے پھر طلب فرمائی میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیگچی سے نکلتی رہتیں۔ بکری کی روسٹ دستی کو آپ چھری کے ساتھ کاٹ کر تناول فرماتے۔ تبوک کے موقع پر بھی آپ نے پنیر کو چھری سے کاٹا۔ یہیں سے پکے ہوئے کھانے کے لئے اوزار استعمال کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کبھی گوشت کو آپ نے دانتوں سے بھی کاٹ کر تناول فرمایا۔ ظہر (پیٹھ) کے گوشت کو اطیب یعنی سب سے اچھا فرمایا۔ بقدید یعنی خشک گوشت کو بھی آپ تناول فرماتے۔ گوشت میں بکری کی دستی، شانے اور پیٹھ، سبزیوں میں کدو، اور خبز میں جو کی روٹی کو محبوب ٹھہراتے۔ مشکوۃ نے بخاری و مسلم کے حوالے سے بیان کیا۔

عن انس ان خیاطا دعا النبی ﷺ لطعام صنعه فذهبت مع النبی ﷺ فقرب خبز شعیر ومرقا فیه دباء وقدید، فرایت النبی ﷺ یتتبع الدباء من حوالی القصعة فلم ازل احب الدباء بعد یومئذ

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک خیاط (درزی) نے نبی ﷺ کو دعوت پیش کی۔ اس نے کھانا تیار کیا۔ میں بھی نبی ﷺ کے ساتھ چلا گیا۔ اس نے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا۔ میں نے نبی ﷺ کو پیالے کے اطراف سے کدو تلاش کرتے دیکھا۔ اس دن کے بعد میں کدو سے محبت کرتا رہا۔

ثرید بھی آپ کا پسندیدہ طعام ہے۔ ثرید بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے شوربے میں جو کی روٹی کے ٹکڑے کر کے ڈالیں جائیں۔ اس سے روٹی نرم بھی ہو جاتی ہے اور کھانا مزیدار بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ہضم بھی جلدی ہوتا ہے۔ ثرید ایک دوسرے سے بھی بنائی جاتی ہے۔ آپ نے اس کو بھی پسند فرمایا۔ اس کو ثرید حسیس کہتے ہیں۔ ثرید حسیس میں روٹی کو مکھن اور کھجور کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ کبھی کھجور اور روٹی کو زیتون کے تیل میں مکس کر لیا جاتا ہے۔ ثرید کو کھانے پر فضیلت کے حوالے سے ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔ عورتوں پر عائشہ کو ایسی فضیلت ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کو فضیلت ہے۔ سنن ابی داؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبز کا ثرید اور کھجور و مکھن کا ثرید حسیس بہت محبوب تھا۔

جو کی روٹی ہی آپ نے زیادہ استعمال فرمائی اسی لئے آپ ﷺ کے کھانے کے حوالے سے جو کی روٹی ہی کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے۔ ابو امامہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔ اس کی وجہ مہمانوں کی کثرت اور اہل صفہ کا مستقل مہمان ہونا بھی ہے۔ کبھی گیہوں کی روٹی بھی پکتی لیکن بہت کم۔ سفید میدہ کی روٹی کے حوالے سے سہل بن سعد ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا ہے کہ کبھی وہ آپ کے سامنے آئی ہو۔ بہر حال اس میں تو شک نہیں ہے کہ جو کی روٹی ہی کثرت سے استعمال فرمائی۔ اسی لئے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

نعم الادم الخل کا مطلب ہے کہ بہترین سالن سرکہ ہے۔ گوشت، کدو، ثرید کو پسند کرنے کے ساتھ آپ نے سرکہ کو بھی پسند فرمایا۔ اس سے یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ کھانے میں بہت زیادہ خواہشیں نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر عمدہ کھانا گوشت و ثرید میسر آئے تو وہ تناول کرنا بھی سنت ہے۔ اگر سالن میسر نہ آئے تو سرکہ موجود ہو تو سرکہ استعمال کرنا سنت ہے۔ روٹی سرکے کے ساتھ کھائی جا سکتی ہے اس لئے کہ آپ نے اس کو بہترین سالن قرار دیا۔ آپ نے روٹی زیتون، مکھن، شوربے، سرکے، کھجور، قثاء (ککڑی، کھیرا) خربوزہ، دودھ، پانی، زم زم، ستو، سالن، بکری کا گوشت، مرغی کا گوشت، سلق (چقندر)، شہد اور مختلف چیزیں تناول فرما کر سنت میں سہولت پیدا فرمائی۔ پنیر بھی استعمال فرمایا اور ہریسہ کی بھی فضیلت بیان فرمائی۔ آپ نے سالن میں نمک کو بھی سردار قرار دیا۔

کھانے کی تاثیر کا لحاظ رکھ کر کھانا سنت ہے۔ رسول کریم ﷺ اس بات کو مدنظر رکھتے کہ کن کھانوں کی تاثیر ٹھنڈی ہے اور کن کھانوں کی تاثیر گرم

ہے۔آپ ککڑی اور تر کھجور کو ملا کر تناول فرماتے۔ تر کھجور کی تاثیر گرم اور ککڑی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے۔دونوں کو ملا کر تناول کرنے سے کھجور کی گرمی کو کم کرنا اور ککڑی کی برودت کو اعتدال میں لانے کی حکمت ہوتی ہے۔اسی طرح آپ نے خربوزے کو بھی کھجور سے تناول فرمایا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ میری فربہی کو کم کرنے کے لئے کھجور اور ککڑی ملا کر دیتیں۔میں نے اس کو استعمال کیا تو میرا موٹاپا ٹھیک ہوگیا۔شہد،کلونجی،اور عجوہ کھجور کو بھی آپ نے بیماریوں کے لئے شفا قرار دیا۔ہاں یہ ضرور ہے کہ بیمار کی کیفیت کو مدنظر رکھ کر نسخہ تجویز کرنا ہی سنت ہے۔یرقان اور گرمی کے اثرات ہوں اور پھر گرم چیز کو علاج قرار دینا طب کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔طب نبوی اور سنت میں تاثیر اور کیفیت سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ میٹھی چیز اور شہد بھی پسند فرماتے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آٹا، گھی اور شہد سے حلوہ بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اسے بہت پسند فرمایا۔آپ میٹھی چیزوں میں سے عجوہ کھجور کو بھی پسند فرماتے بلکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے۔جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھائے تو اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے گا۔عجوہ کو آپ نے دل کے مرض کے لئے بھی مفید قرار دیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو نبی ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی۔آپ نے فرمایا کہ تم دل کے بیمار ہو حارث ابن کلدہ (ماہر حکیم) کے پاس جاؤ۔وہ مدینہ کی عجوہ میں سے سات عجوہ کھجوریں لے اور انہیں گٹھلیوں کے ساتھ پیس کر تمہیں پلائے۔حقیقت تو یہی ہے کہ جو اسوہ رسول اور سنت رسول کو اختیار کرتا ہے وہ بہت سی الجھنوں، بیماریوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کھانا ہمیشہ دائیں ہاتھ سے تناول فرماتے۔دائیں ہاتھ سے کھانے کی ترغیب دیتے۔ایک شخص کو آپ نے بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھ کر فرمایا۔دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔اس نے جان بوجھ کر کہا میں اس سے نہیں کھا سکتا۔پھر ساری زندگی وہ دائیں ہاتھ سے کھانے پر قادر نہ ہو سکا۔اس لئے کھانے اور پینے میں اور اہمیت اور خصوصیت کے ساتھ دائیں ہاتھ سے کھانے کا اہتمام ہونا چاہئیے۔مغربی معاشرے میں کھانے اور پینے کے لئے بائیں ہاتھ کو استعمال کیا جاتا ہے۔مسلمانوں کو مغرب کی پیروی کرنے کی بجائے دائیں ہاتھ کو کھانے پینے کے لئے استعمال کر کے سنت بیضا کو زندہ کرنا ہوگا۔

کھانے پینے کے لئے بیٹھنے کا اہتمام کرنا، کھانے سے قبل کھانے کا وضو یعنی ہاتھ دھونا، کلی کرنا اور پھر ان کو خشک نہ کرنا، کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھونا اس لئے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو رات اس حالت میں گزارے کہ اس کے ہاتھ میں (کھانا کھانے کی وجہ سے) چکنائی ہے جسے اس نے دھویا نہیں پھر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔دسترخوان کا اہتمام کرنا، اللہ کے نام سے کھانا شروع کرنا اور اگر آغاز میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں **بسم اللہ اولہ واخرہ** پڑھ لے اور کھانے کے بعد **الحمد اللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین** پڑھنا سنت ہے۔دسترخوان پر گرنے والے کھانے کو صاف ہونے اور صاف کر کے کھانے کی صورت میں کھانا محبوب ہے اور اولاد کا حسین وجمیل ہونے کا پیش خیمہ بھی ہوتا ہے۔تین انگلیوں سے کھانا، انگلیوں کو چاٹنا بھی سنت ہے جب کہ کھانے سے پہلے اچھی طرح ہاتھ دھوئے ہوں۔کھانا پسندیدہ ہو تو تناول کرنا اور کسی کھانے پر طبیعت نہ ہو یا اس کے پکنے میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کو چھوڑ دینا سنت ہے۔کھانے کے عیب بیان کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال ما عاب النبی ﷺ طعاما قط ان اشتھاہ اکلہ وان کرھہ ترکہ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا اگر پسند فرمایا تو اسے کھا لیا اگر ناپسند فرمایا تو چھوڑ دیا"۔

اسی طرح آپ نے کھانا ناپ تول کر پکانے کی رغبت دی اس میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ کھانا ضائع نہ کیا جائے۔لہسن پیاز سے منہ میں بو پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کو کھا کر مسجد میں آنے سے بھی منع فرمایا لیکن اگر اسے پکا لیا جائے اور پھر پکانے کی وجہ سے اس میں بو پیدا نہ ہو تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کھانے پینے کے انسانی جسم اور کردار پر عمل مرتب ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے حدیث میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ ایک لقمہ حرام کا کھانے کی وجہ سے چالیس دن تک عبادت مقبول نہیں ہوتی۔ان حکمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رزق حلال کا اہتمام ہونا اور حرام سے بچنا ضروری ہے۔قرآن کریم میں بھی بارہا حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی ترغیب دی ہے:

یاایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین (البقرہ168)

اے لوگو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے وہ جو حلال اور پاکیزہ ہو اور نہ چلو شیطان کے قدموں پر قدم رکھتے ہوئے بے شک وہ

تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حلال کھانا رحمان کی راہوں کو اپنانا اور حرام اختیار کرنا شیطان کی پیروی کرنا ہے۔حرام غفلتوں کے اندھیروں میں اور حلال روحانیت کی نورانی کیفیات سے فیضیاب کرتا ہے۔

لقمہ کاں نور افزود و دو کمال

آں بود آوردہ از کسب حلال

جس لقمہ نے نور اور کمال بڑھایا ہے۔وہ حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔

راہ حق کے مسافروں کے لئے حلال اختیار کرنا ضروری ہے۔حلال کی لذت ہی روحانی قدروں سے ہمکنار کرتی ہے۔عشق،محبت،رقت،نرمی،وارفتگی بھی لقمہ سے ہی ممکن ہے۔مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال

عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

حلال لقمہ سے علم اور دانائی پیدا ہوتی ہے۔عشق اور دل کی نرمی حلال لقمہ سے پیدا ہوتی ہے۔

زندگی گزارنے کے لئے انہی اشیا کو پسند کرنا جن کو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے پسند فرمایا اور ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن سے آپ نے پرہیز فرمایا اور پرہیز کرنے کا حکم فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں کھانے پینے اور زندگی کے ہر معاملے میں اتباع رسول اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆

نام کتاب: دل دل مدینہ

مصنف/مؤلف: محمد سعید احمد بدر قادری المعروف بہ سعید بدر

تبصرہ: اسرار اعظمی

ضخامت: 255 صفحات

زیر اہتمام: ملک مقبول احمد

ناشر: مقبول اکیڈمی چوک اردو بازار سرکلر روڈ لاہور

قیمت: 350 روپے صرف

زیر نظر کتاب دل دل مدینہ مختلف شعرائے کرام کی نعتوں کا خوبصورت مجموعہ ہے جسے ''نعتوں کا گلدستہ'' بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسے ممتاز صحافی، نعت نگار اور ادیب سعید بدر نے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے کتاب کے سرورق پر اپنا اصلی'' نام محمد سعید احمد بدر قادری'' لکھا ہے۔

مختلف اصحاب کے مرتب کردہ نعتوں کے کئی مجموعے اب تک چھپ چکے ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ہر مرتب نے کوشش کی ہے کہ وہ بہترین انتخاب کرے لیکن زیر نظر انتخاب کی خوبی اور حسن یہ ہے کہ اس میں صرف وہ نعتیں شامل کی گئی ہیں جن کی ردیف ''مدینہ'' ہے۔ نعتوں کی ترتیب میں شعرائے کرام کے تخلص کو بنیاد بنا کر حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں بیشتر نعتیں اردو زبان میں ہیں۔ نعتوں کی کل تعداد 112 ہے جن میں اردو زبان پر مشتمل ایک سو چار کے قریب ہیں ان میں چار پانچ فارسی زبان میں، دو پنجابی میں اور ایک کشمیری زبان میں ہے۔ چند نعتیں ایسی بھی ہیں جن کی ردیف صرف لفظ ''مدینہ'' نہیں بلکہ ذرا مختلف انداز میں ردیفیں ہیں جن میں لفظ مدینہ ضرور آتا ہے۔ مثلاً مدینے والے، مدینہ منورہ، مدینے کی سرزمین، مدینے میں، مدینے جا پہنچوں، مدینے آجاؤں، مدینہ لکھ رہا ہوں، سرکار مدینے میں بلوالیں وغیرہ ہیں۔

مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ بہترین نعتیں شامل کی جائیں، شعرائے کرام میں قدیم شعراء بھی شامل ہیں اور جدید مداحان رسول بھی رونق افروز ہیں۔ قدیم شعراء میں اختر موہانی وارثی، ادیب سیمابی، اظہر امرتسری، بیدم وارثی، غلام محمد ترنم، حسن رضا بریلوی (امام احمد رضا خاں کے بھائی) محمد حبیب الرحمان شیروانی، رعنا اکبر آبادی، جگر مراد آبادی، سرور بجنوری، ابوالمعانی شمس جینائی، غنی دہلوی، قمر میرٹھی، وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ جدید نعت نگاروں میں اقبال عظیم، محمد اعظم چشتی، آثم نظامی، اثر لودھیانوی، محمد افضل خاکسار، اسرار اعظمی، حافظ لودھیانوی، حفیظ تائب، خالد بزمی، رفیع الدین ذکی قریشی، راسخ عرفانی، ساحر صدیقی، طفیل ہوشیارپوری، عابد نظامی، عطاء الحق قاسمی، افضل فقیر، سردار سربجیت سنگھ لانبا (دہلی) مسرور کیفی، راجا رشید محمود اور یاسمین حمید شامل ہیں۔

مرتب کی اپنی نعتیں بھی مجموعہ میں شامل ہیں جن کی تعداد چار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے نعتوں کی تلاش اور انتخاب میں کافی جستجو اور محنت کی ہے اور انہیں قدیم ذخیروں سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ بعض نعتیں آج کل نایاب ہیں۔ مثال کے طور پر محمد حبیب الرحمٰن حسرت شیروانی کی نعتیں پیش کی جا سکتی ہیں جو فارسی زبان میں ہیں۔

مرتب نے اپنی اس کاوش میں تحقیق کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ انہوں نے نعت کے آخر میں ''ماخذ'' ضرور لکھا ہے کہ یہ نعت کہاں سے لی گئی اور کس کتاب یا مجموعے میں اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ اس تحقیق نے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

مرتب نے آغاز کتاب اپنی حمد سے کیا ہے جو قابل تعریف بات ہے۔ بعض مرتبین اس امر کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ مزید براں آغاز میں نامور قدیم شعراء کا ایک ایک شعر بھی بطور تبرک پیش کیا گیا ہے جو جدت کے ضمن میں آتا ہے لطف یہ ہے کہ یہ تمام اشعار بھی خاص اور روحانی کیفیت میں ڈوب کر اور سرشار ہو کر تحریر کیے ہیں مدینہ منورہ سے متعلق ہیں۔

کتاب کی تقریظ اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم، محقق، سکالر، مقرر اور روحانی پیشوا سید ریاض حسین شاہ نے لکھی ہے۔ لکھتے ہیں:

''نعت شاعری نہیں ہوتی، ریاضت اور عبادت ہوتی ہے۔ جیسے نعت کی مدحت کو لفظوں میں نہیں سمویا جا سکتا، اسی طرح نعت کہنے والے کی عظمت کو بھی حرفوں میں اور لفظوں میں اتارا نہیں جا سکتا''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''سعید بدر سے میری آشنائیوں کا سفر ماہنامہ ''دلیل راہ'' کی ادارت سے شروع ہوا۔ وہ زندگی مزید اداری لیکن سعید بدر کا قال میرا حال ہے اور میرا قال سعید بدر کا حال بن گیا۔ اب تو قرب و بعد دونوں مساوی ہو گئے۔ سعید بدر خود کو اتنا نہ جانتے ہوں جتنا میں ان کو جانتا ہوں۔

یہ مبالغہ نہیں۔ حقیقت ہے کہ سعید بدر اپنے مشاہدے میں بے پناہ وسعت، شعور کی اتھاہ گہرائی اور تجربے کی شدید ضرب رکھتے ہیں۔ گلستان زیبائی کا یہ حسن رکھنے والا بدر، سعادتیں سمیٹ کر بڑا سعید ہوگیا ہے۔ بڑی سخاوت ہے کہ سعید نے اپنے سابقوں اور لاحقوں کے بدر اتار کر اپنی محبتوں کے مرکز پر وار دئے ہیں۔ سعید بدر ذہین اور فطین صحافی ہیں۔ انہوں نے ایسا کام کیا ہے کہ اب مدینہ کی گلیوں سے آسمانی بدر کو جب کوئی تڑپتا دیکھے گا تو اسے "ساوے، سوہے، چولے" پہنا سعید بدر بھی نعتیں گنگناتا دکھائی دے گا"۔

علامہ ریاض حسین شاہ کے علاوہ ممتاز مصنف صلاح الدین سعیدی نے "باتیں سعید بدر کی" کے عنوان سے معنی خیز پیش لفظ لکھا ہے اور مرتب اور مجموعہ نعت ہر دو کی تعریف کی ہے۔

مرتب نے اس سے قبل ممتاز ماہنامہ "ہمایوں" میں شائع شدہ مضامین میں سے "اقبالیات" کا انتخاب کیا جسے بزم اقبال "اقبال شناسی اور ہمایوں" کے نام سے 1992 میں شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی مرتبہ ممتاز شاعر ثاقب سلیمانی کی سوانح حیات "آئینہ ایام" کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔ متعدد دوسری کتابیں زیر طبع ہیں جن میں ان کی اپنی نعتیں "عرض تمنا" کے عنوان سے عنقریب چھپنے والی ہیں۔

آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ناشر ملک مقبول احمد کا شکریہ ادا کیا جائے جنہوں نے کتاب کی بہترین طباعت کر کے اسے شائع کیا ہے۔ سنا ہے کہ ملک اب صرف ناشر ہی نہیں رہے بلکہ ادیب بھی بن چکے ہیں اور ان کی متعدد کتب منصۂ شہود پر آچکی ہیں جن میں "سفر جاری ہے"، "پذیرائی"، "نامور اہل قلم"، "پیغمبر عالم" اور "قرآنی دعائیں" شامل ہیں بلکہ اب تو "ارمغان غزل" اور ایک ادبی مضامین پر مبنی کتاب بھی منظر عام پر آگئی ہے۔

آخر میں ہم توقع کرتے ہیں کہ اہل ذوق وشوق "دل دل مدینہ" جیسی روح پرور اور سوز وگداز سے معمور نعتوں کی کتاب سے ضرور استفادہ کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب عشق رسول مقبول ﷺ کے حامل ہر شخص کی لائبریری کا حصہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ یہ مجموعہ محض نعتوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی "ریفرنس بک" ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ محترم سعید بدر مزید ایسی کتابیں مرتب اور تصنیف کریں گے جو اہل دل اور اہل درد کے دلوں کو گرما سکیں اور انہیں تسکین وراحت دے سکیں۔ بقول علامہ اقبال

تڑپنے، پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ، سوز صدیق دے

☆☆☆

تبصرے وجائزے

حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اترتی ہوئی

علامہ سید ریاض حسین شاہ

کی فکرِ قرآن سے منور اور عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح پرور انقلاب انگیز تصانیف

خود پڑھیے دوسروں کو پڑھائیے

تذکرہ فیض بار اور حکمت افروز قلم سے کردار ساز صحیفۂ نور قرآن کریم کا عام فہم، جدید اردو اسلوب میں ترجمہ

تبصرہ (سورہ یوسف، سورہ یٰس) قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

معجم اصطلاحات علمی و فنی اصطلاحات کا نادر مجموعہ

سنابل نور مرشد الکریم حضرت لالہ جی محمد جمشید قدس سرہ العزیز کی محافلِ نور کی حکایاتِ مہر و محبت

لوح و قلم تیرے ہیں اسلامی انقلاب کے لیے سلگتے جذبوں کا تحریری اظہار

صبح زندگی اخلاقی اور روحانی زوال کی مہیب تاریکیوں میں ملت اسلامیہ کے لیے حیاتِ جاوداں کا پیغام

صفیر انقلاب خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے افراد ملت کے لیے دعوتِ عمل

پروقار محبت عزت نواز عشق حُبِّ رسول ﷺ کی جاں نواز کیفیات کی ایمان افروز تفصیل

سراغ زندگی فلسفۂ عبادت پر ایک منفرد تحریر

حقیقت تقویٰ تقویٰ کی کیفیتوں اور تقاضوں پر مشتمل ایک حسین تصنیف

میلاد النبی ﷺ بیان و برکت علامہ ابن جوزی محدث کی مشہور کتاب "بیان المیلاد النبوی" کا سلیس اردو ترجمہ

مفاہیم قرآن | **سوچوں کی بارات** | **نقوش صحبت**

- Philosphy of Taqwa
- Path to Eternity
- Dignified Love That Glorifies

- حسن السمت
- بار امانت
- معیار عمل

- عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
- مصعب الخیر رضی اللہ عنہ
- عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
- صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
- ابودرداء رضی اللہ عنہ
- بلال حبشی رضی اللہ عنہ
- سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
- جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 35838038

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، خیابان سرسید سیکٹر III، راولپنڈی۔ فون: 4831112

حلیۂ اشتہار: ڈاکٹر محمد آصف ساہیوال

- تعلیماتِ اسلامیہ سے اپنی زیست میں فہم و دانش کی بہار لانے کیلئے
- زندگی کو عشقِ رسالت مآب ﷺ کے نور سے منور کرنے کیلئے
- باطنی صفائی کے حصول اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کیلئے
- اخلاقی رزائل اور روحانی بیماریاں دور کرنے کیلئے

{ شاہ جی کی تحریروں کے ساتھ ساتھ آپ کا سلسلۂ گفتگو }

سلسلہ وار دروسِ حدیث **اجالے حدیث کے**	سلسلہ وار دروسِ قرآن **اجالے قرآن کے**

"محراب"

سماعت فرمائیے

- اخلاص کی برکات
- تدبر: اہمیت و فضیلت
- حج
- بلند نظری اور ایثار
- عیادت کے احکام اور آداب
- قوی مؤمن اور اس کی زندگی کا حسن
- خوف اور احساسِ ندامت
- پرسکون عائلی زندگی کی بنیادیں
- ذکر کی فضیلت اور معاذ بن جبل ؓ
- حصولِ برکت کے ذرائع
- استغفار کی برکات
- لاپرواہیوں کا تدارک
- دلوں کی تالیف
- معاملات میں حسن
- جلد بازی کے نقصانات
- قرآن اور اہلِ بیت
- باوقار زندگی کا تصور
- مدارات اور دل نوازی
- فکرِ آخرت
- دینی تربیت کی ٹھوس بنیادیں
- اسبابِ جرائم اور نجات کی راہ
- لفظِ برکت کے اطلاقات
- عملی روحانی زندگی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں
- طبیعتوں کا کھلا اور وسیع رکھنا

■ عید میلاد النبی ﷺ ■ پیغامِ حسین کانفرنس ■ تقریبِ آغاز دورہ حدیث - ایک اہم خطاب

سی ڈیز اور کتب حاصل کرنے کیلئے رابطہ:

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ خیابانِ سرسید سیکٹر III راولپنڈی 0300-5141965

اتفاق اسلامک سنٹر H بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور 042-35838038

www.daleelerah.info Email: aims58@gmail.com

عطیہ اشتہار: **سید فضل حسین شاہ - وزیر علی قریشی - عبدالمجید مغل**

ڈاکٹر عافیہ

ظلم امریکہ میں پھر سر زد ہوا — غنچۂ امید ہے مرجھا گیا
اہل امریکہ نے کی بے منصفی — عافیہ پر اک قیامت توڑ دی
عافیہ پر ظلم کا آرا چلا — عدل امریکہ میں ہے بیچا گیا
عافیہ کو کیس میں جب دھر لیا — غرق امریکہ نے بیڑا کر لیا
فیصلہ سن کر سبھی تھرا گئے — آنکھ میں آنسو سبھی کے آ گئے
عافیہ سے ظلم اور بے منصفی — پردۂ انصاف میں آدم کشی
جا بجا تاریخ میں لکھا ملا — غیر منصف قوم مرتی ہے بسا
ظالموں کا نام نام مٹ گیا — منصفوں کا نام ہی روشن رہا
چہرہ امریکہ ترا گہنا گیا — اصل چہرہ سامنے اب آ گیا
عافیہ کو چھوڑ دے او بے وفا — ہے بھلا اس میں تیری ہی قوم کا
ہو بڑے تو کام بھی اچھے کرو — تا زمانے میں بڑے بن کے رہو
خود پہ امریکہ نہ کر بے جا غرور — کیوں سمایا ہے ترے سر میں فتور
ہے گزارش اہل پاکستان سے — بچ رہیں ''امریکی شیطان'' سے
ہم مسلماں موت سے ڈرتے نہیں — موت آئے بھی تو ہم مرتے نہیں
کفر طعنے دے رہا ہے برملا — ہے مسلمانوں کا کہاں رب العلا
ملت اسلام در خطرہ بلا — کر مدد اس کی خدائے کبریا
تیرا در چھوڑیں تو پھر جائیں کہاں — اک ترا ہی آسرا ہے بے گماں
بدر کی رب العلیٰ سے ہے دعا — اپنی کشتی بھی کنارے پر لگا

سعید بدر

ہمارے دور کی پوری دنیا میں معاشرے دو حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ بے خدا معاشرے جہاں عالم، پادری، پوپ، جوگی سب برابر ہو چکے ہیں۔ وہاں سوچیں حیوانی ہیں کھاؤ، پیو اور عیاشی کرو۔ کسی چیز میں نہ تحدید ہو اور نہ کسی فعل پر قدغن لگائی جائے۔ البتہ وہاں کے فکری ایوان ان معاشروں کے در پے ہیں جہاں مذاہب کی اقدار اخلاق اور تقویٰ کا واضح مفہوم متعارف کرواتی ہیں۔

ایک دوسرا معاشرہ زمین پر موجود ہے اس معاشرے میں لوگوں کے ہاں دنیا کو ناپائیدار سمجھا جاتا ہے۔ آخرت کی لامتناہی زندگی کے واضح تصورات موجود ہیں، ان سوسائٹیز میں ایمان، اخلاق، تقویٰ اور خدا خوفی کے سایے میں زندگی گزاری جاتی ہے۔ خوفناک بات یہ ہے کہ لادینیت کے طوفان ان ایوانوں کو بھی جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں۔ قرآن وسنت سے دوری نے لوگوں کو ایسی راہ پر ڈال دیا ہے جو ہلاکت کا راستہ ہے، بربادی کا راستہ ہے اور نسلیں اجاڑنے کا راستہ ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

مرسلہ: **ڈاکٹر محمد سلیم** شیخوپورہ

حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں روحانی معراج کا منہاج یہ خوبصورت باتیں نقل فرمائی ہیں:

ا۔ توبہ اور انابت پاکیزگی اور طہارت کی اصل یہی ہے۔ ب۔ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک اپنی روح اور دل میں سموئے رکھنا۔ ج۔ نماز کا قیام مشاہدہ کے دوام کا ذریعہ یہی ہے۔

د۔ پہلی تین چیزیں اس وقت تک کوئی روحانی معنی نہیں رکھتیں جب تک ان کے پس منظر اور پیش نظر میں عقیدہ صالحہ کی حقیقت موجود نہ ہو۔

تبصرہ و تذکرہ سے ایک اقتباس

منجانب۔ **طارق محمود** خانیوال